طلوع اسلام

25-B گلبرگ 2 طلوع اسلام روڈ لاہور 54660

Phone: 5714546/5753666/5764484

فروری 1999ء

چیئرمین ایاز حسین انصاری

ناظم محمد لطیف چوہدری

ناشر عطاء الرحمٰن ارائیں

سرکولیشن منیجر مرزا زمرد بیگ

ایڈیٹر

محمد لطیف چوہدری

مدیر معاون: سلیم اختر

مجلس مشاورت: عبداللہ ثانی۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر۔ بشیر احمد عابد

مجلہ طلوع اسلام کا سالانہ زر شرکت

پاکستان میں	۱۷۰/- روپے
یورپ اور مڈل ایسٹ	۶۰۰/- روپے
امریکہ۔ آسٹریلیا۔ کینیڈا	۸۰۰/- روپے

ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: ۳۰۸۲۰۷ نیشنل بنک

مین مارکیٹ گلبرگ۔ لاہور

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
باہر ٹائیٹل	۸۰۰/- روپے	۶۰۰۰/- روپے
اندر ٹائیٹل	۶۰۰/- روپے	۵۰۰۰/- روپے
اندر کے صفحات	۵۰۰/- روپے	۴۰۰۰/- روپے
نصف صفحہ	۳۰۰/- روپے	۲۰۰۰/- روپے

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔

اُجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال کریں۔

روپے ۱۵

ایڈیٹر محمد لطیف چوہدری ناشر عطاالرحمان ارائیں' مقام اشاعت 25- بی گلبرگ II لاہور

مطبوعہ نذیر شریف پرنٹرز' 43 ریٹی گن روڈ' لاہور

EMAIL: Idara@toluislam.com ------- WEB: www.toluislam.com

فہرست

لمعات	ادارہ	3
عید آزاداں -- عید محکوماں	ادارہ	8
پرویز صاحب -- کچھ باتیں، کچھ یادیں	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر	17
نماز پنج گانہ	علامہ رحمت اللہ طارق	21
تو عرصہ محشر میں ہے	پروفیسر محمد منور	29
الصلوٰۃ --- نظام ربوبیت	عبدالغفور محسن	33
ادارہ طلوع اسلام -- اقبال اور قرآن	سید انعام الحق	37
کفر کے فتوے -- تاریخ کے تناظر میں	قاسم سرحدی	40
کتاب التقدیر	تبصرہ: شہریار احمد خان	44
نامے جو میرے نام آتے ہیں		46
حقائق و عبر	ادارہ	47
In A Word -- The World	Ubed-ur-Rahman Arain	58
Book Review	Tahira Pervez	64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

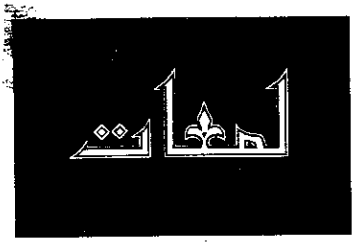

1- دہشت گردی کیوں؟

مظفر گڑھ کے نواحی قصبہ کرم داد قریشی میں 15 رمضان المبارک کی صبح نماز فجر کے بعد نامعلوم دہشت گردوں کی اندھا دھند فائرنگ سے فقہ جعفریہ کی ایک مسجد میں 16 نمازی جاں بحق اور آٹھ زخمی ہو گئے جن میں سے چار کی حالت تشویش ناک ہے۔ لاہور میں وزیراعظم کی آمد سے نصف گھنٹہ قبل بم دھماکے' دوسرے روز مسجد پر دہشت گردوں کی فائرنگ اور 16 افراد کی ہلاکت ایک سنگین واقعہ ہے۔ پچھلے سال رمضان المبارک میں دہشت گردی کے کئی واقعات ہوئے تھے جن میں متعدد قیمتی جانیں ضائع ہو گئی تھیں۔

پنجاب میں چونکہ پہلے بھی مذہبی دہشت گردی ہوتی رہی ہے اور دو مذہبی مکاتب فکر کی تنظیمیں ایک عرصہ سے برسر پیکار چلی آرہی ہیں اس لئے ذہن قدرتی طور پر اسی طرف ہی جاتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی صرف نظر ممکن نہ ہو گا کہ بعض اسلام دشمن طاقتیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مذہبی اختلافات کی آڑ میں خانہ جنگی کرانا چاہتی ہیں اس لئے وہ کسی مسجد یا امام بارگاہ کو نشانہ بنا کر بیک وقت کئی مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

قرین قیاس یہی ہے کہ اس واردات میں بھی کسی دشمن ہی کا ہاتھ ہو گا لیکن سوال یہ ہے کہ مذہبی منافرت کی آگ' جس کا فائدہ دشمن اٹھا رہا ہے' کا دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے؟

بقول سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ :

"مسلمانوں کے دور انحطاط میں جہاں اور بہت سے فتنے پیدا ہوئے ہیں وہاں ایک بڑا اور خطرناک فتنہ ایک دوسرے کو کافر اور فاسق ٹھہرانے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے کا بھی ہے۔ لوگوں نے اسلام کے سیدھے سادھے عقائد میں موشگافیاں کیں اور قیاس و تاویل سے ان کے اندر بہت سے ایسے فروع اور

جزئیات پیدا کر لئے جو ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد تھے اور جن کی کوئی تصریح کتاب و سنت میں نہ تھی' یا اگر تھی بھی تو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان کو کوئی اہمیت نہ دی تھی' پھر ان اللہ کے بندوں نے (اللہ انہیں معاف فرمائے) اپنے وضع کردہ فروعی مسائل کے ساتھ اتنا اہتمام کیا کہ انہی پر ایمان کا مدار ٹھہرا دیا' ان کی بنیاد پر اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' بیسیوں فرقے بنا دیئے اور ہر فرقے نے ایک دوسرے کو کافر' فاسق' گمراہ' دوزخی اور خدا جانے کیا کیا کہہ ڈالا۔ حالانکہ کفر و اسلام کے درمیان اللہ تعالیٰ نے کتاب مبین میں ایک واضح خط امتیاز کھینچ دیا تھا اور کسی کو یہ حق نہ دیا تھا کہ اپنے اختیار سے جس چیز کو چاہے کفر اور جسے چاہے اسلام ٹھہرا لے۔ اس فتنے کی محرک خواہ تنگ نظری ہو' نیک نیتی کے ساتھ' یا خود غرضی اور حسد اور نفسانیت ہو بدنیتی کے ساتھ۔ بہرحال اس نے مسلمانوں کی جماعت کو جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید کسی اور چیز نے نہیں پہنچایا۔"

سید ابوالاعلیٰ مودودی
(تفہیمات حصہ دوم۔ فتنہ تکفیر۔ صفحہ 141)

علامہ غلام احمد پرویزؒ کہتے ہیں :

"اگر ہم کسی کو ایک فقرہ میں بتانا چاہیں کہ نبی اکرمؐ نے اپنی حیات طیبہ میں کیا عظیم کام سرانجام دیا تھا' تو بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ حضورؐ نے غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام بنا کر دین کا نظام قائم کیا تھا۔ غیر مسلموں کو مسلمان بنانا کس قدر مشکل کام تھا' اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ حضورؐ کی نبوت کی عمر تیئیس (23) سال کی تھی اور چونکہ حضورؐ' خدا کے آخری نبی تھے اس لئے یہ تیئیس (23) سال کا عرصہ قیامت تک پھیلا ہوا تھا۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو حضورؐ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ ہزاروں سال پر بھاری تھا۔ اس عظیم القدر' اہم اور قیمتی' مبارک زندگی کا پچاس فیصد سے زیادہ حصہ (تیئیس (23) میں سے تیرہ (13) سال) مکہ میں بسر ہوا۔ وہاں آپؐ کو جس قدر مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا' وہ سب پر عیاں ہیں۔ اس قدر طول طویل عرصہ' اور ایسی جانکاہ مشقتوں اور مصیبتوں کا ماحصل کیا تھا؟ تین سو کے قریب افراد کا حلقہ اسلام میں داخل ہونا۔ اس سے آپ اندازہ لگایئے کہ ایک غیر مسلم کو مسلمانوں کی جماعت میں داخل کرنے کے لئے' حضورؐ کو کتنا وقت صرف کرنا' اور کس قدر جانکاہ اور صبر آزما مراحل میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد' حضورؐ کی مدنی زندگی کا دور شروع ہوا۔ اس میں مسلمانوں کی اس مٹھی بھر جماعت کو' دشمنوں کے حملوں سے بچانے اور اس طرح اس متاع گراں بہا کو محفوظ رکھنے کے لئے حضورؐ (اور آپؐ

کے ہمراہ قدسیوں کی اس جماعتؓ) کو کتنی لڑائیاں لڑنی پڑیں اور جان و مال کی کس قدر قربانیاں دینی پڑیں۔ اس طرح' محمدؐ رسول اللہ والذین معہ' نے ایک ایک قطرہ اکٹھا کر کے امت مسلمہ کی جوئے رواں کو تشکیل فرمایا' جس نے اپنے ایمان محکم اور عمل پیہم سے' تھوڑے سے عرصہ میں' ایک بحر ذخار کی شکل اختیار کر لی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ۔

اس کے بعد' جب خلافت کا شیرازہ منتشر ہو گیا تو دین میں ثنویت (Dualism) پیدا ہو گئی اور سیاست' دین سے الگ ہو گئی۔ اس سے ایک طرف' ملوکیت وجود میں آگئی اور دوسری طرف مذہبی پیشوائیت (Priest Hood) حالانکہ دین' ان دونوں کو مٹانے کے لئے آیا تھا' اور اس نے انہیں مٹا کر دکھا دیا تھا۔

ملوکیت نے اسلام کے ساتھ کیا کیا' اسے اس وقت چھوڑیئے۔ مذہبی پیشوائیت نے جو کچھ کیا اسے دو فقروں میں یوں سمجھئے کہ اس نے پہلے اس امت واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اسے فرقوں میں تقسیم کر دیا اور پھر ایک ایک مسلمان کو کافر قرار دے کر' دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ چنانچہ آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ اس وقت (مثلاً) پاکستان میں جس قدر مسلمان بستے ہیں' ان حضرات کے فتوؤں کے مطابق' ان میں سے ایک بھی مسلمان نہیں۔ یعنی نبی اکرمؐ اور صحابہ کبارؓ نے' ہزار مصیبتیں جھیل کر' ایک ایک غیر مسلم کو حلقہ بگوش اسلام بنایا تھا اور انہوں نے حلقہ بگوشان اسلام کو ایک ایک کر کے کافر بنا دیا۔

سوال یہ ہے کہ ان حضرات کو (یا کسی اور کو) یہ اتھارٹی کہاں سے مل جاتی ہے کہ وہ کسی کے کفر اور اسلام کا فیصلہ کریں؟ "علماء" کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے کسی مذہبی مدرسہ سے کچھ کتابیں پڑھی ہیں تو کیا ان کتابوں کے پڑھ لینے سے کسی کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ جسے جی چاہے کافر قرار دے دے؟ باقی رہے مفتی۔ سو اسلامی سلطنت میں یہ ایک منصب تھا جس پر کوئی شخص حکومت کی طرف سے تعینات ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی مفتی نہیں ہوتا تھا۔ جس طرح آج کل ایڈووکیٹ جنرل یا اٹارنی جنرل حکومت کی طرف سے تعینات ہوتے ہیں اور ہر وکیل اپنے آپ کو نہ ایڈووکیٹ جنرل قرار دے سکتا ہے اور نہ ہی اس منصب کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے۔ مفتی کی حیثیت مشیر قانون کی ہوتی تھی۔ اس کا کام صرف مشورہ یا رائے دینا تھا۔ فیصلہ کرنا نہیں تھا۔ فیصلہ حکومت خود کرتی تھی یا اس کی طرف سے مقرر کردہ قاضی۔ اب نہ وہ حکومتیں باقی ہیں نہ ان کی طرف سے مقرر کردہ مفتی۔ لیکن یہ حضرات ابھی تک اپنے آپ کو انہی معنوں میں مفتی سمجھتے ہیں اور صرف مفتی کے فرائض ہی سرانجام نہیں دیتے' بلکہ قاضی کی

حیثیت سے فیصلے بھی صادر کرتے ہیں۔

وہ فرقہ جس کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا جاتا ہے' کافر تو نہیں ہو جاتا' لیکن اس سے ملک کا امن ضرور تباہ ہو جاتا ہے۔ فتویٰ صادر کر کے عوام کے جذبات کو مشتعل کر دیا جاتا ہے۔ اس سے ہنگامے برپا ہوتے ہیں' فساد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ملت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ بھائی سے بھائی اور باپ سے بیٹا جدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ سیدھے سادے عوام سچ مچ سمجھ لیتے ہیں کہ اس فرقے کے لوگ کافر اور مرتد ہو گئے ہیں۔ فتوے میں لکھا ہوتا ہے کہ

(1) ان کی بیویاں ان پر حرام ہو چکی ہیں۔ (2) ان کے ساتھ بیاہ شادی حرام ہے۔ (3) ان کے ساتھ ملنا جلنا' اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا' معاشرتی روابط رکھنا سب ناجائز ہیں۔ (4) ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جا سکتی۔ (5) انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جا سکتا۔ (6) یہ واجب القتل ہیں۔ غور کیجئے کہ جب عوام بچارے ان امور کو شریعت کا فیصلہ سمجھ کر ان پر عمل کرنے لگ جائیں تو ملک اور ملت کی حالت کیا ہو جائے گی؟ لیکن جب یہ ہنگامے فرو ہو جاتے ہیں تو خود وہ حضرات جنہوں نے اس قسم کا فتویٰ دیا تھا ان لوگوں کے ساتھ جن کے خلاف یہ فتویٰ دیا گیا تھا' اسی طرح ملتے جلتے ہیں۔ ان کی شادی بیاہ میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ وہ بدستور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوتے ہیں۔ یعنی ان فتوؤں کا عملی نتیجہ' سوائے ہنگامے برپا کرنے اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ لڑانے کے کچھ نہیں ہوتا۔ آپ سوچئے کہ جس قوم میں یہ صورت حالات مسلسل جاری رہے' اس کا حشر کیا ہو گا؟ وہی نہیں جو ہو رہا ہے۔"

(طلوع اسلام اپریل 1962ء صفحہ 35)

مذہبی دہشت گردی یا مذہبی منافرت کی آڑ میں دشمنان اسلام کی دیسہ کاریاں روکنے کے لئے حکومت جتنے بھی اقدامات کر رہی ہے یہ اس کے علاج کیلئے کافی نہیں۔ ان انتظامات کا تعلق مرض کی علامات دور کرنے سے ہے' مرض کے اسباب و علل ختم کرنے سے ان کا تعلق نظر نہیں آتا۔ ان اقدامات سے ہو سکتا ہے وقتی طور پر وارداتیں کم ہو جائیں یا رک جائیں جیسا کہ ماضی میں ہوا ہے مگر مذہبی منافرت ختم کئے بغیر حالات سدھارنے کی کوئی صورت کارگر نہیں ہو سکتی۔ حکومت اور اہل دانش اگر سنجیدہ ہیں تو انہیں کافر گری کی وبا فوری طور پر ختم کرنا ہو گی۔ اس کے لئے کرنے کا کام یہ ہونا چاہئے کہ بجز سپریم کورٹ یا قومی اسمبلی کسی کو یہ حق حاصل نہ ہو کہ وہ دوسروں کو کافر قرار دے یا مذہبی منافرت پھیلانے کا ارتکاب کرے۔ کافر گری کی اس وبا کو فوری طور پر ختم کرنے کے لئے نہ پند و نصائح کارگر ہوں گے' نہ

بنیں کام آئیں گی' اسے ختم کرنے کے لئے فوری طور پر ایک ایسا قانون نافذ کرنا ہو گا جس کے تحت دوسروں کے عقائد و نظریات کو ہدف تنقید بنانا' اختلاف رائے کی بنیاد پر کسی دوسرے کو کافر قرار دینا اور مذہبی منافرت پھیلانا قابل دست اندازی پولیس قرار دیا جا سکے۔ یہ قانون جب تک نہیں آیگا مذہب کی آڑ میں انسانوں کا خون اسی طرح بہتا اور عبادتگاہوں کا تقدس یونہی پامال ہوتا رہیگا۔

2- توہین رسالت کے مرتکب 3 نام نہاد علماء کے خلاف مقدمہ درج

قرآن و سنت کے شیدائی' لاہور کے ایک شہری میاں حماد مرتضیٰ کی درخواست اور ارم ایاز صاحبہ مجسٹریٹ دفعہ 30 کے حکم پر تھانہ اسلام پورہ لاہور میں 13 جنوری 98ء کو درج ہونے والی ایف۔ آئی۔ آر نمبر 19/99 کے مطابق ایک شخص محمد اکرم نے جو اپنے آپ کو قاضی علامہ محمد اکرم عربی لکھتا ہے اور کسی سید محمد معصوم شاہ گیلانی اور قاضی القضاۃ سید سلامت علی شاہ قادری حسینی کی قائم کردہ شرعی عدالتوں کی وکیل اینڈ قاضی پریکٹیشنرز کونسل رجسٹرڈ کا صدر ہونے کا دعویدار ہے' ایک پمفلٹ شائع کر کے تقسیم کیا ہے۔ جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قتل کے بدلے قتل' آنکھ کے بدلے آنکھ کی سزا شرعی نہیں ہے۔ نیز یہ کہ (1) قرآن و سنت (سنی مسلمانوں) میں بنیادی علوم درج نہیں (2) مسلمانوں کا نبی بے پڑھا' ان پڑھ تھا (3) قرآن کے کاتبان وحی اہل الکتاب محدثین ہیں یعنی اہل کتاب نے جو کچھ لکھنا چاہا وہ لکھا جیسا کہ بے پڑھے ان پڑھ تو اندھے ہوتے ہیں دنیاوی علم کے امام کیسے ہو سکتے ہیں۔ محدثین کہتے ہیں کہ تحریروں کے بغیر زبانی عدالتی نظام بکواس ہے۔

درخواست گزار کے مطابق ملزمان کی یہ تحریریں زیر دفعہ 295-A' 295-B اور 295-C توہین رسالت کے زمرے میں آتی ہیں اور یہ کہ ملزمان کو قرار واقعی سزا ملنی چاہئے۔ اب تک موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق تین میں سے ایک ملزم گرفتار کر لیا گیا اور تفتیش جاری ہے۔

طلوع اسلام :- مذکورہ پمفلٹ کی کاپی تاحال دستیاب نہیں ہو سکی اس لئے پمفلٹ کے مندرجات پر تبصرہ ہمارے لئے سردست ممکن نہیں تاہم یہ امر ہمارے لئے باعث حیرت ہے کہ ایک مربوط عدالتی نظام کے ساتھ ساتھ ملک میں نجی شرعی عدالتیں بھی قائم ہیں اور ان عدالتوں کے وکلاء کی اپنی کونسلیں ہیں جو حکومت کے کاغذات میں رجسٹرڈ ہیں !

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید آزاداں ----- عید محکوماں

ابھی ابھی رمضان المبارک کا مہینہ بھی گذرا ہے اور اس کے آخر میں عیدالفطر کا تیوہار بھی۔ ان دنوں آپ نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر رمضان المبارک کے فضائل اور عید کی برکات پر تقریریں سنی ہوں گی۔ یہ تقریریں آپ اسلامی مملکت پاکستانیہ کے "آزاد ذرائع ابلاغ" سے کم و بیش نصف صدی سے سنتے چلے آرہے ہیں۔ یہ تقریریں کیا ہوتی ہیں؟ ایک رسم کی ادائی جس میں کوئی روح نہیں ہوتی۔ تقریریں کرانے والے انہیں اپنی اوفیشیل ڈیوٹی سمجھ کر بیگار ٹالتے ہیں۔ تقریریں کرنے والے اس لئے تقریر کرتے ہیں کہ اس کا انہیں کچھ معاوضہ ملتا ہے اور سننے والے انہیں اس لئے سنتے (یا سن لیتے) ہیں کہ اس سے ثواب ہوتا ہے۔ نہ کسی کو ان تقاریب کی معنوی حیثیت سے کچھ واسطہ ہوتا ہے' نہ اس سے کچھ غرض کہ ہماری عملی زندگی سے ان کا کیا تعلق ہے۔

ہم طلوعِ اسلام کے پرانے فائلوں کی ورق گردانی کر رہے تھے کہ ان میں لیلۃ القدر اور عید کی تقاریب پر تین تقریروں پر ہماری نظر پڑی۔ ان میں دو تقریریں پرویز صاحب کی تھیں اور ایک علامہ اسلم جیراجپوری (رحمۃ اللہ علیہ) کی' اور نشر ہوئی تھیں 1940ء میں' آل انڈیا ریڈیو دہلی سے۔ اس زمانے میں سلطنت انگریز کی تھی اور حکومت عملاً ہندو کی جن کا ریڈیو پر کامل تسلط تھا۔ اور تقریر کرنے والے پرویز صاحب' خود اس حکومت کی ملازمت میں تھے۔ آپ ان تقریروں کو دیکھئے جو ہماری محکومی کے زمانے میں انڈیا ریڈیو سے نشر ہوتی تھیں اور پھر ان تقریروں کو سامنے لایئے جو مملکت اسلامیہ پاکستانیہ کے آزاد ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے نشر ہوتی ہیں۔ (طلوع اسلام)

☆ ☆ ☆

پہلی تقریر

لیلۃ القدر :- دنیا کی کسی قوم کو لیجئے۔ سال میں کچھ دن ایسے آئیں گے جن میں وہ جشن و مسرت کے تیوہار منائے گی۔ جب دنیا میں مسلمان آئے تو ان کے ذمے عدل و انصاف کے پھیلانے اور جور و استبداد کے مٹانے کیلئے ایسے اہم فرائض عائد کئے گئے کہ انہیں فرصت ہی نہ تھی کہ وہ اس قسم کے مسرت و شادمانی کے جشن منائیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی داستانِ زندگی میں بعض واقعات ایسے تھے جن کی یاد قائم رکھنا اقوامِ عالم کی موت و حیات کے اصولوں کی یاد تازہ کرنا تھا' یہ اس ملت کے تیوہار ہیں اور ان تیواروں میں سب سے نورانی وہ جس کا مطلع ہلالِ رمضان اور مقطع روزِ عید ہے۔ جس عظیم الشان واقعہ کی یاد میں یہ تیوہار منایا جاتا ہے اس کی عظمت و رفعت خود بتا دے گی کہ اس تیوہار کو کتنا اہم ہونا چاہئے۔

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں

کی رشد و ہدایت کیلئے مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں اپنے رسول بھیجے جو لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچاتے رہے۔ لیکن خدا کے یہ پیغامات اپنی اصلی شکل میں کہیں محفوظ نہ رہ سکے۔ کہیں یہ زمانے کے انقلابات کے ہاتھوں مٹ گئے اور کہیں خود انسانوں نے اپنے ہاتھوں سے ان کی صورت مسخ کر دی۔ اب ذرا تصور میں لائیے ایسے منظر کو کہ نگاہیں ذوقِ نظارہ کے لئے بیتاب ہوں، لیکن دنیا سے روشنی گم ہو جائے۔ زندگی کا مدار صاف ہوا پر ہو لیکن فضا مہلک جراثیم سے بھرپور ہو جائے۔ جانِ ناتواں پیاس کی شدت سے پھڑک رہی ہو، لیکن پانی کے ہر چشمے میں زہر مل چکا ہو۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اگر یکایک سورج بے نقاب ہو کر سامنے آجائے۔ اس مہلک فضا کی جگہ بادِ نسیم کے خوشگوار جھونکے نزہت و لطافت کی ہزار جنتیں اپنے جلو میں لئے ایک نئی زندگی کا سامان پیدا کر دیں۔ ان زہر سے بھرے ہوئے چشموں کی جگہ ایک جوئے رواں مچلتی، لوٹتی، مسکراتی دامنِ کہسار سے تازہ ولولوں کی بشارتیں لئے بڑھتی چلی آئے تو فرمایئے کیا یہ واقعہ ایسا نہیں ہو گا کہ اس کی یاد اس وقت تک قائم رکھی جائے جب تک دنیا میں زندگی کے قیام و بقا کے لئے نفیس روشنی، لطیف ہوا اور صاف پانی کی ضرورت ہے؟ یہ آفتابِ جہانتاب، یہ نسیمِ حیات پرور، یہ کوثر و تسنیم کی جوئے رواں ہمارے اللہ کا وہ پیغام ازلی ہے جو قرآن کریم کی شکل میں دنیا کو اس وقت ملا جب حیاتِ انسانی کے ہر شعبے پر مُردنی چھا چکی تھی اور زندگی کی تاریک رات میں امید کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کے نزدیک اس سے بڑھ کر جشن و مسرت کی تقریب اور کوئی نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (10:57)۔

"اے انسانو! تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے (ایک ایسا زندگی عطا کرنے والا پیغام) آگیا (جو سرتاپا) نصیحت ہے۔ دل کی تمام بیماریوں کے لئے شفا اور ہدایت و رحمت ہے ان کے لئے جو اس کی صداقتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ یہ اللہ کا فضل ہے اور اس کی رحمت۔ پس چاہئے کہ اس پر خوشی منائیں (یہ قدرت کا عطیہ) ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے یہ لوگ دنیا میں جمع کرتے رہتے ہیں۔"

یہ ہے وہ نور مبین جس سے رمضان کے مہینے میں چشم انسانیت نے بینائی حاصل کی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ (2:185)۔

"رمضان کا مہینہ جس میں قرآن کا نزول ہوا وہ قرآن جو انسان کیلئے راہ نما ہے۔ ہدایت کی روشن صداقتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور حق کو باطل سے الگ کر دینے والا ہے۔"

اور اسی پاک مہینے میں وہ مبارک رات ہے جس میں نور خداوندی کی پہلی جھلک سے دنیا کی نگاہیں آشنا ہوئیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ (1-5-91)۔

"ہم نے اس کتاب مبین کو عظمتوں والی رات میں نازل کیا ہے۔ تم کیا جانو کہ یہ عظمتوں والی رات کیا ہے؟ وہ رات جو اپنی قدر و قیمت میں ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جس رات میں فرشتے اور جبریلِ امین اپنے رب

کے فرمان کے بموجب امن و سلامتی کی جنت اپنے آغوش میں لئے دنیا پر نازل ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ دنیا نورِ سحر سے جگمگا اٹھتی ہے۔"

اس مقدس رات میں اللہ تعالیٰ کے اس ضابطہ قوانین کا نزول شروع ہوا۔ جس کا ایک ایک لفظ سرتاپا حق و یقین ہے۔ **وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ** (69:51)۔ جس میں کہیں کسی جگہ شک و شبہ اور قیاس و تخمین کی کوئی گنجائش نہیں۔ **لَا رَيْبَ فِيهِ** ایسا حق کہ باطل اس کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔ (41:42)۔ حق کہتے ہی اسے ہیں جو ثابت ہو۔ اٹل ہو۔ امٹ ہو۔ اپنی جگہ پر قائم ہو۔ حقیقت کے ہر معیار پر پورا اترے۔ علم و بصیرت کی ہر کسوٹی پر کھرا ثابت ہو اور اس کے برعکس باطل وہ جو مٹ جانے والا ہو۔ جو باقی نہ رہ سکے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ حق ہے' باطل کا اس میں کوئی دخل نہیں' علم و دانش ہے' توہم پرستی کا اس میں کوئی شائبہ نہیں' کسی خاص ملک' خاص قوم اور خاص جماعت کی ہدایت کیلئے نہیں بلکہ نسلی' لسانی' طبقاتی' وطنی' قبائلی حدود و قیود کو توڑ کر تمام دنیا کے لئے یکساں طور پر آئینہ حیات ہے۔ پھر جس طرح یہ صحیفہ فطرت مکانی حدود سے بلند ہے۔ اسی طرح زمانی قیود سے بھی ناآشنا ہے۔ یعنی جس طرح فطرت کی کوئی شے ایسی نہیں جو کسی زمانے میں یہ کہہ دے کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح قرآن کریم بھی یہ کبھی نہ کہے گا کہ بس اب میں تھک گیا۔ اب کسی اور رہبر کی تلاش کرو۔ قطعاً" نہیں۔ قرآن کریم کی آیات کو کھولتے جایئے۔ جہاں اندر جہاں' زمانہ در زمانہ ان کے پیچ و خم میں لپٹا ملے گا۔ فطرت کی کسی چیز کو لیجئے۔ مثلاً" پانی۔ اس کے متعلق ابتدائی انسان اتنا ہی جانتا تھا کہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے' یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس سے نہایا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن پانی کے اندر چھپی ہوئی خصوصیتیں' اس کی (Latent Properties) زمانے کی عقل و علم' تجربہ و مشاہدہ کے ساتھ ساتھ یوں کھلتی گئیں گویا وہ اس کی لہروں کے پیچ میں لپٹی ہوئی تھیں' آج پانی سے جس قدر کام لئے جاتے ہیں' ابتدائی زمانے میں بھی یہ خصوصیتیں پانی کے اندر موجود تھیں اور آج بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پانی کے اندر جس قدر قوتیں خوابیدہ ہیں وہ سب کی سب بیدار ہو چکی ہیں۔ اس فضا کو دیکھئے جو کل تک خالی سمجھی جاتی تھی آج اس میں ایتھر کی لہروں نے ایک نئی دنیا آباد کر دی ہے ایتھر تو پہلے بھی موجود تھا اسی خلا میں پڑا ہوا اس انتظار میں تھا کہ انسانی علم و دانش کی سطح بلند ہوتے ہوتے اس کو آن چھوئے اور یہ اپنی چھپی ہوئی قوتوں کے خزانوں کی چابیاں اس کے حوالے کر دے۔ یہی کیفیت مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم کی ہے۔ زمانہ علم و عقل کی جس سطح تک چاہے بلند ہوتا چلا جائے قرآن کریم اس سے بھی آگے نظر آتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ اس خدا کی کتاب ہے جس کی نگاہوں سے کوئی حقیقت پوشیدہ اور جس کے علم سے کوئی شئے باہر نہیں ہے۔ ہم مسلمانوں کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ قرآن کریم محض چند نظری عقیدوں کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ضابطہ قوانین ہے۔ مذہب' سیاست' تمدن' تہذیب' معاشرت' معاشیات غرضیکہ دین و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے متعلق اس کے اندر ہدایت کے اصول موجود نہ ہوں۔ ایسے اصول جو سب سے محکم اور سیدھی راہ دکھانے والے ہیں۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ (17:9)۔

"بلا شبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ متوازن راہ ہے۔"

یہی وہ توازن بدوش راہ تھی جس پر چل کر ایک اونٹ چرانے والی' کھجوروں کی گٹھلیوں پر گذارا کرنے

والی بادیہ نشین قوم دیکھتے ہی دیکھتے ایک طرف قیصر و کسریٰ کی دولت و سلطنت کی وارث بن گئی اور دوسری طرف دنیائے جہانداری و جہانبانی میں حسن و اخلاق کے اس مقام تک پہنچ گئی جس کی یاد آج تک دلوں سے محو نہیں ہوئی۔

آج بھی ہم مسلمانوں کے پاس وہی قرآن موجود ہے اور آج بھی اس کی ویسی ہی تلاوت ہوتی ہے۔ اسی رمضان شریف میں دیکھئے' لاکھوں مرتبہ اسے دہرایا گیا ہو گا۔ پھر کیا ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت عام طور پر ویسی نہیں ہے جیسی پہلے مسلمانوں کی تھی۔ وجہ ظاہر ہے۔ قرآن کریم قوانین کا مجموعہ ہے اور قوانین ہمیشہ عمل کرنے کے لئے ہوتے ہیں' محض پڑھنے کیلئے نہیں ہوتے۔ پڑھا انہیں اس لئے جاتا ہے کہ ان پر عمل کیا جائے۔ جب سے یہ لم نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہم مسلمانوں کی یہ حالت ہو گئی کہ قدم چلتے ہیں لیکن منزل قریب نہیں آتی' کام ہو رہے ہیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ مرتب نہیں ہوتا اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں' خود اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرما دیا ہے :

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى۔ (20:124)-

"اور جو شخص ہمارے قرآن سے روگردانی کرے گا تو اس پر روزی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔"

آج دنیا دل کے اضطراب اور روح کی پریشانی کے جس جہنم سے گذر رہی ہے۔ ضرورت تھی کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی زندہ و پائندہ کتاب کا وارث بنایا تھا وہ انسانیت کو اس پریشانی اور اضطراب سے نجات حاصل کرنے کا راستہ بتاتی۔ لیکن دوسروں کو جگانے والے جب خود ہی سو جائیں تو مخلوق کی حفاظت کس طرح ہو۔ راستہ دکھانے والا جب چراغ ہدایت کو دامن میں چھپا لے تو منزل تک کیسے پہنچا جائے۔ لیکن ان چیزوں کے باوجود ہمارے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ دنیا چاروں طرف سے تھک تھکا کر خود ہی روشنی کی تلاش میں سرگرداں پھر رہی ہے۔ اس لئے روشنی کے علمبردار زمانے کے ہاتھوں مجبور ہوں گے کہ اللہ کی دی ہوئی روشنی سے تمام پردے اٹھا کر خود بھی راہ راست پر ہو لیں اور دنیا کو بھی اطمینان اور سکون کی جنت کا راستہ دکھائیں۔ ہم مسلمانوں نے جب پھر سے ایک مرتبہ قرآن کریم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تو پھر دیکھئے گا کہ ہم جس مٹی کو ہاتھ لگاتے ہیں وہ کس طرح سونا بن جاتی ہے۔ ہماری ہر آرزو کس طرح پوری ہو جاتی ہے۔ اس وقت ہمیں معلوم ہو گا کہ لیلتہ القدر کی صحیح عظمت کیا ہے۔ ہم اس کی قدر و قیمت اس وقت پہچانیں گے جب ہمیں قرآن کی قدر ہو گی اور جب قرآن کی قدر ہو گی تو اپنے آپ کی قدر ہو گی اور جب اپنی قدر ہو گی تو قدر و قیمت کے تمام غلط معیار نگاہوں سے گر جائیں گے۔

میں نے قرآنی نظام کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ محض الفاظ کی بندش اور شاعرانہ تخیل نہیں بلکہ میرے نزدیک ٹھوس حقیقت ہے۔ یہ نظام کیا ہے۔ کس طرح عمل میں لایا جا سکتا ہے اور اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں؟ یہ سب کچھ قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔

(پرویز)

دوسری تقریر

روزوں کی عید :- قرآن کریم کے نزول کی سالگرہ منانے کا وہ جشن مقدس جس کی ابتدا رمضان المبارک کے چاند سے ہوئی تھی آج اس کا آخری دن ہے۔ جس طرح اس تیوہار کی تقریب نرالی ہے اسی طرح اس کے منانے کا انداز بھی انوکھا ہے۔ جشن و مسرت کے تیوہار عام طور پر کسی انسان کی یادگار قائم رکھنے یا کسی تاریخی

واقعہ کو محفوظ کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ انسانوں کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں اور دنیاوی واقعات بھلائے جا سکتے ہیں پر خدا کا وہ پیغام جو قرآن کریم کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے کبھی مٹ نہیں سکتا' کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اس نے لی ہے جو زندہ ہے اور کبھی مر نہیں سکتا۔ ایسا قائم ہے کہ اسے کبھی فنا اور زوال نہیں۔ یہ جشن عید اسی خدائے حی و قیوم کی زندہ و پائندہ کتاب کے نزول کی یادگار ہے اور جب تک دنیا باقی رہے گی یہ یادگار بھی باقی رہے گی۔ دنیا کے بڑے بڑے مورخ اس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے مسلمانوں کو ملا تھا اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہ اس سے پہلے ہوا ہے نہ اس کے بعد ہو گا کہ جس کا محافظ خود اللہ ہو' اس میں کون رد و بدل کر سکتا ہے۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ واللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ و للہ الحمد۔

پھر اسے بھی دیکھئے کہ دنیا کے جشن عام طور پر کھیل' تماشا' راگ' رنگ' عیش و نشاط سے منائے جاتے ہیں لیکن شعائر الٰہی کی یادگار کے جشن منانے کے لئے ایک جداگانہ پروگرام تجویز کیا گیا ہے اس کے لئے مہینہ بھر سے تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ اسلام کے معنی خدا کی اطاعت کے ہیں۔ زبردستی اطاعت نہیں' بلکہ دل کی خوشی سے برضا و رغبت اطاعت۔ یہ اسی کی اطاعت ہے کہ ایک عبد مومن حرام اور ناجائز شئے کو چھو نہیں سکتا۔ اس کے ہاتھوں کسی شخص کے مال' جان' آبرو کو ناحق کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اسی جذبہ اطاعت کی تقویت کیلئے حکم دیا گیا کہ اس کے حکم کے ماتحت کچھ وقت کیلئے حلال اور طیب چیزوں کو بھی چھوڑ دیا جائے تاکہ حرام اور ناجائز کی طرف کبھی نگاہ بھی نہ اٹھنے پائے۔ انہیں دن بھر بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرنے کا خوگر بنایا گیا۔ تاکہ یہ جہاد زندگی کے سخت ترین مرحلوں سے ہنستے کھیلتے گذر جانے کے عادی ہو جائیں۔ انہیں راتوں کو مساجد میں جمع کیا گیا کہ قانون خداوندی کا وہ ضابطہ جس کے ماتحت انہیں زندگی بسر کرنا ہے پورے کا پورا مسلسل ذہن نشین ہوتا چلا جائے۔ گویا یہ ایک سالانہ ٹریننگ کیمپ تھا جس میں زندگی میں تازہ ولولے پیدا کرنے کے سامان فراہم کئے گئے تھے۔ ایک یاد داشت تازہ کرنے والا (Refresher Course) تھا جس میں خدا اور بندے کے براہ راست تعلقات کی یاد تازہ کی گئی تھی۔ سالانہ محاسبہ (Stock Taking) تھا جس میں سال بھر کے اعمال اور نتائج کی جانچ پڑتال کر کے جائزہ لینا تھا کہ ہم ایک سال میں کس حد تک آگے بڑھے ہیں۔ جب پورے ایک ماہ کی محنت اور اطاعت کے بعد دلوں میں تزکیہ' نگاہوں میں بصیرت' ذہن میں جلا اور روح میں بالیدگی پیدا ہو گئی تو ان تمام کو یکجا جمع ہونے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور سوچیں کہ انہیں اس زندگی کے حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے لئے کیا کچھ کرنا ہے۔ جو جماعت مومنین کی خصوصیت ہے اور جس کے وعدے قرآن کریم کے ایک ایک صفحہ پر سچے موتیوں کی طرح ابھرے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اس سوچ بچار کے بعد اپنے لئے ایک پروگرام تیار کریں جس کا اعلان ان کا منتخب امام اپنے خطبہ میں کرے۔ اس کے بعد ان کے نمائندے اس طے شدہ پروگرام کو لیکر ملت اسلامیہ کے مرکز محسوس یعنی بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہو جائیں جہاں ان مختلف مقامی پروگراموں کی روشنی میں تمام ملت کیلئے مشترکہ نظام تجویز کیا جائے۔ یہ ہیں اس جشن مسرت کے مختلف اجزا اور یہ ہے ان اجزا کی اجمالی تفصیل۔ انہیں سامنے رکھئے اور پھر دیکھئے کہ یہی تقریبیں جن کے ہر گوشہ بساط پر کبھی زندہ آرزوئیں مچلتیں اور تازہ ولولے

رقص کرتے تھے۔ اصلی روح کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے پر کس طرح رفتہ رفتہ رسمی اجتماعوں کی شکل اختیار کر گئیں۔ بقول حضرت علامہ اقبالؒ

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج!
یہ سب باقی ہیں، تو باقی نہیں ہے

آپ عید گاہ میں پہنچیں گے تو آپ کو نماز کے مسائل سمجھائے جائیں گے۔ بتایا جائیگا کہ صفیں کس طرح سیدھی رکھنی چاہئیں، دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہئے۔ کندھے کے ساتھ کندھا کس طرح ملانا چاہئے۔ ہاتھ کس طرح باندھنے اور کہاں تک اٹھانے چاہئیں، تکبیریں کس طرح کہنی چاہئیں۔ یہ سب چیزیں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں اور ان کی پابندی لازمی لیکن ان ظاہرا ارکان کی پابندی کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی تو ضروری ہے کہ آپ وہاں جمع کس غرض کے لئے ہوئے ہیں۔ نماز آپ کو کیا پیغام حیات دیتی ہے۔ جماعت کے ساتھ ملنا کیوں ضروری ہے، جماعت ایک ہی کیوں ہوتی ہے۔ متعدد کیوں نہیں ہو سکتیں۔ امام بھی ایک ہی کیوں ہوتا ہے اور اس کی ایک آواز پر بلا چوں و چرا سب کو ایک ہی حرکت کیوں کرنی پڑتی ہے۔ اس سے کہیں بھول چوک ہو جائے تو اس کی اطاعت سے کیوں سرتابی نہیں کی جاتی اور اس کے لئے بھی جہاں تک ممکن ہو غلطی سے بچنا کس قدر ضروری ہے کہ اس کے سہو کا کفارہ پوری جماعت کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ جھکنا کیا ہے، یہ اٹھنا کیسا ہے، کس طرح ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

وحدت افکار و کردار، یعنی خیالات میں یکسانیت اور اعمال میں یک رنگی، قوموں کی زندگی کے یہی بنیادی اصول ہیں اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے تمام قومیں مختلف قسم کی جدوجہد کرتی ہیں لیکن اسلام میں یہ سب کچھ از خود موجود ہے۔ اور موجود ہے اس ملیت کو لئے ہوئے جو مسلمانوں کا امتیازی نشان ہے لیکن آج مسلمانوں میں افکار اور اعمال کی وحدت کی جو کمی نظر آتی ہے اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ؎

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی

ہمارے ان مناسک اور شعائر کی شکلیں باقی ہیں لیکن اصلی روح باقی نہیں رہی اور ان کی شکلیں بغیر روح کے ایسی ہی ہیں جیسے جسم بغیر جان کے یا نیام بغیر تلوار کے۔ لیکن اس کے باوجود ایک اہم نکتہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ ہرچند ہمارے ان اجتماعوں میں آج وہ روح باقی نہیں رہی لیکن ان کی پابندی اور قیام نہایت ضروری ہے۔ اس لئے کہ ہماری فلاح اور سعادت جب بھی آئے گی انہی شعائر کی راہ سے آئے گی۔ آپ تاریخ انسانیت کے بہترین زمانہ یعنی عہد رسالتمآب ﷺ پر نگاہ ڈالئے۔ نظر آجائے گا کہ فلاح اور سعادت کے چشمے انہی چٹانوں سے پھوٹے تھے اس لئے ہمارے لئے، مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ خدا کی زندہ کتاب ہمارے پاس ہے اسی میں اس کے رسول ﷺ کا اسوہ مقدسہ، روشنی کے بلند مینار کی طرح ہماری راہ نمائی کے لئے موجود ہے۔ اس کی برگزیدہ جماعتوں کے کارنامے، مردہ دلوں میں نئے ولولے پیدا کرنے کے لئے ہمارے سامنے ہیں۔ بس اتنی ضرورت ہے کہ ہم ہر طرف سے کٹ کر اپنے آپ کو پھر سے اسی نظام سے وابستہ کر لیں تو انہی چٹانوں سے ہمارے لئے زندگی کے چشمے اسی گرمجوشی سے ابلنے لگ جائیں گے اور ان کی سیرابی سے ہماری ملت کے گلستان میں پھر سے بہار آنے لگے گی۔

نہیں اقبال ناامید اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

میری طرف سے آپ احباب کو مبارک ہو وہ عید جو ہمارے سامنے اسلامی زندگی کے جمال و جلال کی جھلک پیش کر کے اس بھولے ہوئے عہد و پیمان کی یاد تازہ کر دیتی ہے کہ

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ واللہ اکبر۔ اللہ اکبر و للہ الحمد

"ہر قسم کی بڑائی اللہ کے لئے ہے۔ اس کے سوا کوئی اور ایسا نہیں جس کے سامنے جھکا جائے۔ کبریائی اور ستائش کی سزاوار اسی کی ذات ہے۔

(پرویز)

تیسری تقریر

عید کا پیغام آج عید ہے۔ یہ دن اس لحاظ سے سال بھر میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خوشی کا دن ہے کہ ایک مہینہ روزہ رکھنے کے بعد نصیب ہوتا ہے۔

دن نکلتے ہی نہا دھو کر اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر اللہ کا نام لیتے ہوئے' اس کی حمد اور تکبیر کرتے ہوئے اور اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ واللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ وَلِلّٰہ الحمد پڑھتے ہوئے عید گاہوں میں آکر جمع ہوتے ہیں۔ جہاں سب کے سب ایک امام کے پیچھے صف بستہ ہو کر عید کا دوگانہ ادا کرتے ہیں اور اپنے مالک کے حضور میں عاجزی اور نیاز مندی کے ساتھ اس مبارک مہینے کے دنوں کے روزوں اور راتوں کی عبادتوں اور ریاضتوں کی قبولیت اور اپنی مغفرت کی دعائیں مانگتے ہیں اور خدا کی عظمت و جلال کے آگے خوف اور امید سے گڑگڑا کر اپنے دنوں کا خون آنکھوں کی راہ سے بہاتے ہیں۔

کتنا سنجیدہ تیوہار ہے اور کس قدر متین ! سب کی زبانوں پر اللہ کا نام ہے اور دلوں میں اسی کا خیال۔ نہ شور ہے نہ شر' نہ شورش ہے نہ جوش' نہ کھیل ہے نہ کود' نہ نقل ہے نہ سوانگ۔ بس ایک رضائے الٰہی سب کے پیش نظر ہے اور سب اسی کے آگے سجدہ کرنے اور اپنی دلی آرزوئیں پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

بے شک عید خوشی کا دن ہے۔ کیونکہ مسلمان اپنے اکیلے رب کا بندہ ہے اس کی خوشی یہی ہے کہ اپنے رب کو اس کے احکام کی فرمانبرداری سے راضی کرے اور عید کے دن وہ امید رکھتا ہے کہ رمضان المبارک کی عبادتوں کی بدولت آج اس کی دعائیں قبول ہوں گی' اس کے گناہ بخشے جائیں گے اور اس کے قصور معاف ہونگے۔ سچے بندوں کی خوشی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مالک کو راضی کریں۔

اس خوشی کے دن ہر محلہ کے خوشحال مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ عید گاہ جانے سے پہلے اپنے پڑوس کے غریب اور محتاج بھائیوں کو عید کا صدقہ پہنچا دیں تاکہ وہ سوال سے بے نیاز ہو کر سب مسلمانوں کے ساتھ عید میں شریک ہو سکیں۔ آج کے دن ہر مسلمان نہا کر اپنا بہتر سے بہتر لباس پہن کر اور خوشبو لگا کر عید گاہ میں آتا ہے اور تمام دنیائے اسلام میں یہ اجتماع ہر جگہ اسی طرح ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے عید کا مجمع نہ صرف مسلمانوں کی شائستگی اور خدا پرستی بلکہ ان کے اجتماعی جمال و جلال کا بھی مظہر ہے۔

عید کی نماز کے بعد مسلمان آپس میں گلے ملتے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ اس خوشی کے دن دلوں سے کینہ اور دشمنی کو نکال دیں اور بھائی سے بھائی گلے مل کر محبت کے عہد کو نئے سرے سے تازہ کریں۔ بعض بعض تو اس معانقہ کے اس قدر شائق ہوتے ہیں کہ اس متین مجمع کے وقار کے خلاف اس میں ہل چل اور بے ترتیبی

ڈال دیتے ہیں۔ لیکن یہ رسم خود ہماری پیدا کی ہوئی ہے ورنہ ہمارے باہمی اتحاد اور محبت کی بنیاد اس سے بہت بلند ہے۔ وہ ایک اکیلے معبود کی رضا طلبی پر ہے جس کے آستانہ پر پوری ملت کی آرزوئیں اور دعائیں جھکتی ہیں اور گلے ملتی ہیں۔ اسی وحدت مقصد میں اتحاد ملت کا راز مضمر ہے۔

آج مسلمانوں پر عام طور پر غربت اور بیکسی مسلط ہے اور اس وجہ سے ہماری عید غریبوں کی اور بیکسوں کی عید ہے لیکن اسلامی ملکوں میں اب بھی اس کی شان و شوکت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔

یہاں اہل نظر کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے بزرگوں کو حکومت' عزت' مال' جاہ اور ہر قسم کی نعمتیں بخشی تھیں اور اب کیا بات ہو گئی کہ ہم سے ایک ایک کر کے ان کو چھین رہا ہے۔ ہماری ملت کے اکثر افراد جس زوال کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں وہ اس قدر ہولناک اور جاں گداز ہے کہ ہماری خوشی کا دن بھی جو آتا ہے وہ اس غم کو مٹا نہیں سکتا۔

آج اگر کوئی شخص ماؤنٹ ایورسٹ پر کھڑا ہو کر دنیا کی قوموں کا نظارہ کرے تو اس کو سب سے زیادہ تعجب مسلمانوں پر ہو گا جو صدیوں تک بے نظیر عروج حاصل کرنے کے بعد جس کے ذکر سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اب عام طور پر تنزل میں پڑے ہوئے ہیں اور دوسری قومیں دن رات عروج اور ترقی حاصل کر رہی ہیں۔ اس لئے یہ ایسا امر ہے جس کے اوپر مفکرین اسلام کو زیادہ سے زیادہ غور کرنا چاہئے تاکہ وہ مسلمانوں کی پستی کے اسباب کے ازالہ کی کوشش کر سکیں۔ میرے نزدیک ہماری پستی کے بڑے سبب دو ہیں :

(1) پہلا یہ ہے کہ اس امت کی سربلندی اور اس کا عروج سب قرآن کریم کی پیروی کی بدولت ہوا تھا لیکن رفتہ رفتہ امت اسلامیہ اس کتاب الٰہی کی تعمیل سے جو ہمارے لئے دینی اور دنیاوی اور اجتماعی اور انفرادی ہر قسم کی تعلیمات اور حقیقی تعلیمات کا مجموعہ ہے دور ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اب یہ دوری اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ یہ کہتے ہوئے میری گردن ندامت سے جھک جاتی ہے کہ یہ جو کتاب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا دستور العمل تھی آج تمام امت اسلام میں جو مراکو سے چین تک پھیلی ہوئی ہے' کوئی قوم یا جماعت ایسی نہیں ہے جس نے اس کو عملاً اپنی زندگی کا قانون بنایا ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا یہ دینی اور ذہنی مرکز جو ہماری ہدایت کا سرچشمہ ہے متروک ہو گیا۔ اور اس کے قوانین اور ضوابط خاص کر اجتماعی نظام خود مسلمانوں میں رائج نہیں رہے۔ اور اس کے اوپر ہمارا ایمان محض اعتقادی اور زبانی رہ گیا جس کی وجہ سے امت سینکڑوں فرقوں میں منقسم ہو گئی۔ اس لئے مسلمانوں کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ اس کتاب الٰہی اور نور مبین کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائیں تاکہ اس کی روشنی میں باہمی فرقہ بندیاں اور مذہبی جھگڑے مٹ جائیں اور سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہو کر متحد ہو جائیں۔

(2) دوسرا سبب اور نہایت اہم سبب ہماری "لامرکزیت" یعنی مرکز کا نہ ہونا ہے اور امت اسلامیہ اپنا مرکز کھو دینے سے پستی میں جا گری ہے۔

آج تمام عالم اسلام ایک بے سری جماعت ہے جس کا نہ کوئی مرکز ہے نہ کوئی نظام ہے۔ ہم کو خدا نے صرف اپنا غلام بنایا تھا اور اس امیر کی' جو قرآنی احکام نافذ کرے' اطاعت کا حکم دیا تھا۔ جب تک امت اس کے اوپر عمل کرتی رہی برسر عروج رہی۔ لیکن بہت تھوڑے عرصے کے بعد خود ہمارے ہی ہاتھوں یہ مرکز ٹوٹ گیا۔ جس کی وجہ سے مختلف حکومتوں' سلطنتوں اور بادشاہتوں میں ملت تقسیم ہو گئی اور ایک کو دوسرے

سے سوائے اسلامی اشتراک کے اور کوئی تعلق نہیں رہ گیا۔

مرکز کے فنا ہو جانے سے ملت کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور اس کا شیرازہ بکھر گیا اور کوئی اجتماعی قیادت اور راہنمائی نہیں رہی جس کی وجہ سے عمل کی صلاحیت گم ہو گئی اور زوال آگیا۔ اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ پھر دوبارہ ملت اسلام متحد ہو کر ایک مرکز پر آجائے تو ہم کو ایسے امیر کی اطاعت اختیار کرنی چاہئے جو قرآن کے مطابق چلائے اور ہر ہر حصہ کے مسلمان ایک مرکز پر آجائیں تاکہ رفتہ رفتہ پوری ملت متحد ہو سکے۔ ورنہ ڈر ہے کہ انفرادیت اور لامرکزیت ہلاکت تک پہنچا کر نہ چھوڑے۔

یہ دونوں باتیں جو میں نے عرض کی ہیں قیاسی نہیں ہیں بلکہ ہمارے دینی فرائض ہیں۔ قرآن کریم پر ہر مسلمان کا ایمان ہے اور وہ یقین رکھتا ہے کہ اس پر عمل کرنا نجات ہے۔ اسی طرح اطاعت امیر جس کے احکام قرآن میں کھلے کھلے اور واضح طور پر دیئے گئے ہیں۔ ہر مسلم پر فرض ہے کہ ان دونوں یعنی قرآن اور امیر سے ملت عملی طور پر متحد ہو سکتی ہے۔

علاوہ بریں وحدت ملت کے اور بھی اسباب ہمارے اندر موجود ہیں۔ تمام دنیائے اسلام میں یکساں ہر جگہ پانچوں وقت اذانیں پکاری جاتی ہیں اور نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ تمام دنیائے اسلام سے ہر قوم اور ہر ملک کے نمائندے دریا، کوہ اور بیابان قطع کرتے ہوئے حج کے موسم میں مکہ میں آتے ہیں اور شاہ و گدا کا امتیاز اٹھ کر ایک لباس میں میدان عرفات میں جمع ہو جاتے ہیں۔ آج کی عید بھی تمام دنیائے اسلام میں یکساں اور ایک ہی انداز سے منائی جاتی ہے۔ اس لئے ہمارے اتحاد میں کوئی دشواری نہیں ہے اور امت اسلامیہ کیلئے اللہ اور رسولؐ کی ہدایت اور تعلیم کی روشنی میں فلاح و نجات کی راہ میں قدم رکھنا اور دینی و اعتقادی مرکز قرآن کریم کو بنانا اور عملی مرکز اطاعت امیر کو اختیار کرنا عین اس کے ایمان کے مطابق ہے۔

میں اپنے تمام بھائیوں بہنوں کو عید کی مبارکباد دیتا ہوں اور خلوص دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دل اور ایک زبان کر دے اور اپنی رحمت سے ہمارے قصوروں کو معاف کر کے ہم کو صحیح راستہ پر چلائے۔

(اسلم جیراجپوری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا۔ اس بستی سے اللہ کی حفاظت کا ذمہ اٹھ گیا۔ (مسند امام احمد)

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رزق پہنچانے کی ذمہ داری معاشرہ پر عائد ہوتی ہے اور جو معاشرہ اس فریضہ کو سرانجام نہیں دیتا وہ خدا کی حفاظت میں نہیں رہتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

پرویزؒ صاحب---- کچھ باتیں، کچھ یادیں

علامہ اقبال کا یہ شعر

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

زبان زد خاص و عام ہے اور ہم نے اکثر اسے موقع بے موقع استعمال ہوتے ہوئے دیکھا سنا ہے مگر پھر بھی کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ انسانیت میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن پہ یہ شعر صادق آتا ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر ایسی ہی ایک شخصیت ہے، اسے ہم سے جدا ہوئے تیرہ چودہ سال ہو گئے مگر ان کے جانے سے یوں محسوس ہوتا ہے ہم صدیوں کی رہنمائی سے محروم ہو گئے ہیں، صدیوں بعد کوئی ایسی شخصیت وقت کے افق پر ابھرتی ہے گویا روشنی کا ایک مینار ہو جو صدیوں کی تاریکیوں کا سینہ چاک کرتی ہوئی، علم و دانش، فکر و آگہی کا نور بکھیرتی ہوئی تاریک راہوں کو روشن کرتی ہے۔

محترم پرویزؒ صاحب سے غائبانہ تعارف کی داستان تو کئی بار دہرا چکا ہوں کہ یہ انہی کے طفیل تھا کہ میرے دل سے یہ کانٹا کہ اسلام میں غلامی جائز ہے اور غلاموں اور لونڈیوں کا وجود معاشرے کا حصہ ہو سکتا ہے، ان کی ایک ہی تحریر سے ایسا نکلا کہ پھر اس کی خلش تک باقی نہ رہی اور ان کی یہی ایک تحریر مجھے تذبذب، لاتعلقی اور کسی حد تک بیزاری سے دین کی طرف راغب کر گئی اور پھر ایک قلبی تعلق کی طرف مائل کرنے کا موجب ہوئی۔ اسلام کے ساتھ میرے رسمی تعلق کو یقین محکم میں تبدیل کرنے کا موجب ہوئی اور پھر ایک عجیب اتفاق ہوا، اسی کو حسن اتفاق کہتے ہونگے، کہ گلبرگ میں میری پہلی قیام گاہ ادارہ طلوع اسلام کے مرکز 25، بی کے بالکل قریب، عین سامنے واقع ہوئی، آج 121 ڈی اور 25 بی کے درمیان سڑک کے اس پار جو خستہ سا مکان حائل ہے اس زمانے میں اس کا وجود نہ تھا، کرائے کا یہ گھر مادی اور ذہنی فاصلوں کو سمٹا گیا ورنہ جانے یہ سعادت نصیب ہوتی یا ناں کہ جب جی چاہا، جب کچھ سمجھنا چاہا، کوئی مسئلہ درپیش ہوا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔

بے جا، بے وقت تنگ میں نے کبھی نہ کیا مگر مصروفیت کے باوجود وہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملے اور ان کی مصروفیت قریبی اصحاب جانتے ہیں ایک ہی تھی، زندگی بھ کی ایک ہی لگن، ایک ہی عشق، اللہ جل شانہ، کی کتاب مکرم، قرآن پاک پہ غور و خوض، جب بھی گیا اسی میں مصروف پایا۔

اب تو اس جگہ کا جغرافیہ ہی بدل گیا ہے، ان دنوں درس 25 بی میں (main) بلڈنگ میں ہوتا (موجودہ جگہ تو بس دفتر کی جگہ تھی یا گیراج تھا) جو ان کی رہائش گاہ تھی۔ درس گھر سے باہر لان (Lawn) میں ہوتا، اس کے ساتھ ذرا بلندی پہ برآمدہ تھا، حاضری زیادہ ہوتی تو اس میں بھی سامعین کے بیٹھنے کا بندوبست ہوتا۔ اس برآمدے میں دروازہ کھلتا تھا ان کے کمرے کا، جس کا طول سارے برآمدے کے برابر تھا اور چوڑائی بھی کافی تھی۔ ایک طرح سے یہ پرانے ہال کمروں کی طرح کا کمرہ تھا۔ دروازے کے پہلو میں کھڑکی کے سامنے پلنگ تھا جس پہ گرمیوں کے دنوں میں مسہری لگی ہوتی۔ سامنے پرانا سا صوفہ، چند کرسیاں اور وہاں سے ہٹ کر ایک جہازی میز اور اس کے سامنے ایک جہازی سائز کرسی، ہاں اسے صوفہ تو نہیں کہہ سکتے مگر اس کا سائز اسے کرسی بھی نہیں کہنے دیتا۔ بس یوں سمجھئے کہ اس میں اتنی گنجائش تھی کہ بابا جی اس پہ سردیوں میں بڑے کوٹ اور دھسے کی بکل سمیت آلتی پالتی

مارے بیٹھ سکتے تھے۔ یہی کرسی درس کے دن باہر تخت پر بچھتی تھی' اب بھی وہ ویڈیو پہ نظر آسکتی ہے۔ وہ اس کرسی پہ بیٹھے ہوتے' سامنے کی میز پہ کتابوں' رسالوں کے ڈھیر ہوتے' سامنے ان کے کاغذات دھرے ہوتے اور وہ اکثر و بیشتر کچھ نہ کچھ لکھتے ہوئے مصروف نظر آتے' میں دروازہ کھٹکھٹاتا' آواز آتی آجایئے' کبھی کبھی تو باہر فضل ہوتا جو اندر جا کر اطلاع کر دیتا کبھی وہ بھی نہ ہوتا۔ اللہ کا کرم ان کے شامل حال تھا' اللہ نے ان سے کچھ کام جو لینے تھے خود ہی ان کی حفاظت بھی کرتا تھا' کلاشنکوف یا رائفل بردار چوکیدار' محافظ تو ایک طرف ایک نہتا فضل اور وہ بھی دوسرے کاموں میں مصروف' ماننا ہی پڑتا ہے کہ اللہ ہی کا فضل تھا جو ان کے شامل حال تھا۔ اندر بھی نہ کوئی سیکرٹری' نہ سٹینو' نہ کوئی کلرک۔۔ کبھی کبھی شام کے وقت چشمہ لگائے گھنگھریالے بالوں والا ایک نوجوان کچھ لکھتا ہوا ملتا' یہ خالد سلام تھا جو انجینئرنگ یونیورسٹی میں لیکچرار تھا اور شام کو فارغ وقت میں کچھ خدمت کی نیت سے آن بیٹھتا یا لطیف صاحب تھے جو قریب ہی واپڈا کے کسی دفتر میں ملازم تھے اور چھٹی کے بعد گھر جانے کی بجائے پرویزؒ صاحب کی مجلس میں آ بیٹھتے اور جونہی موقع ملتا ان کی گفتگو اور درس ریکارڈ کر لیتے۔

صبح کے ناشتے کے بعد دن بھر یہی ایک مصروفیت تھی' لکھنا' پڑھنا' کھانے کا وقفہ ضرور آتا' سونے کا وقفہ ان کی زندگی میں ناپید تھا۔ رات کو بھی کہا کرتے تھے لیٹا ضرور ہوتا ہوں مگر وہ نیند نہیں ہوتی۔ ہر چیز سے تو میں باخبر ہوتا ہوں۔

"آپ دوپہر کو آرام کیوں نہیں کرتے بابا جی" کبھی میں نے پوچھا تو جواب ملتا "فرصت کسے ہے ڈاکٹر صاحب کام اتنا زیادہ ہے اور میں تن تنہا۔۔۔"

بڑی مدت کے بعد جب ذرا کھل کر بات کرنے کی سٹیج آئی تو میں نے محسوس کیا تنہائی کا یہ احساس ان کے اندر بڑا گہرا تھا'۔۔۔ ایک دن جب میں نے ناصر کاظمی کا یہ شعر ان کے سامنے جانے کس ضمن میں پڑھا۔

عمر بھر کی نواگری کا صلہ
اے خدا کوئی ہمنوا ہی دے

تو بہت دیر سوچ میں گم رہے' شعر کا اثر اپنی جگہ' ان کی سوچ اپنی جگہ' میں دم بخود' اللہ جانے کیا کہیں۔ آخر کہنے لگے' "ایسا ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب' جب کوئی حق کی آواز بلند کرتا ہے تو وہ اکیلا ہوتا ہے۔ اس کی تائید کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ مدتوں بعد کچھ سعید روحیں ساتھ ہو جاتی ہیں۔ وہی بات ہے کہ میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر لوگ پھر ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا۔

ابھی وہ سٹیج نہیں آئی۔ ابھی تو مخالفتیں ہی مخالفتیں ہیں مگر ہم اپنی سی کئے جائیں گے۔ ہماری ذمہ داری بس اتنی ہی ہے کہ اس پیغام کو عام کرتے جائیں۔ زبردستی تو دین میں ہے ہی نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرمؐ کو اس پیغام کے نہ ماننے کے متعلق مضطرب دیکھا تو کہا کیا آپ ان کے لئے اپنی جان کھپا لیں گے؟ آپ کا کام زبردستی کسی کو اس راہ پہ لانا نہیں۔ اگر ایسا ہمارا مقصد ہوتا تو ہمارے لئے کیا مشکل تھا کہ ہم پیدا ہی سب کو ایسا کر دیتے۔ آپ کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ اس پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے جائیں۔۔۔ دیکھا آپ نے ڈاکٹر صاحب اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیا مقام دیا ہے۔ مکمل آزادی' مکمل اختیار' جو اپنے تمام تر عقل و شعور سے جان پرکھ کر اسے اختیار کرنا چاہے وہ آئے۔۔۔

اس ضمن میں ایک دفعہ انہوں نے قائداعظمؒ کا ایک واقعہ سنایا اور یہ اس لئے بھی اہم ہے کہ اس سے قائد کے کردار پہ بھی روشنی پڑتی ہے' لگتا ہے حضور نبی اکرمؐ کے دل میں یہ معصوم سی آرزو پیدا ہوئی کہ کیا یہ عظیم کام' دین کا غلبہ اور قیام' میری زندگی میں ممکن ہو سکے گا۔۔۔ دلوں کے بھید جاننے والے' دل کی گہرائیوں میں اٹھنے والی آرزوؤں سے واقف اس علیم و خبیر ذات کی طرف سے جواب ملا' آپ کے ذمے اس کو پہنچاتے چلے جانا ہے۔ یہ کب ہو گا یہ ہمارے قانون کے مطابق ہو گا۔

قائد مخالفتوں کے ہجوم میں گھرے اس بات پہ غور کر

رہے تھے کہ پاکستان کے قیام کا مشن ان کی زندگی میں ممکن ہو بھی سکے گا؟

بابا جی انہیں ملے تو انہوں نے ذکر کیا اور پوچھا کیا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد حضور کے عزم میں کوئی کمی آئی' عمل میں کوئی تساہل آیا--- نہیں! نہیں' آپ اسی ثابت قدمی سے راہ کی رکاوٹوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے راستے پہ گامزن رہے--- یہی ہمارے لئے سنت نبوی ہے' یہی اسوہ حسنہ ہے---

قائد کی زندگی کے ایسے بہت سے پہلو ان کی نظر میں تھے' قائد کی زندگی اور سوچ کی ایسی کشمکش سے واقف بھی صرف وہی ہو سکتے تھے جن سے وہ ان معاملات پہ تبادلہ خیالات کرتے' قائد کی زندگی کے اس پہلو سے ناواقف لوگ انہیں دینی معاملات سے ناواقف سمجھتے--- حالانکہ ان کا خود یہ بیان تھا کہ میں نہ مولوی ہوں نہ ملا' نہ مجھے ایسا کوئی دعویٰ ہے مگر میں نے اپنے طور پر خدا کی اس کتاب عظیم پہ غور کیا ہے---

اب یہ آپ پہ ہے کہ سوچیں ایسا بیدار مغز' سوچ سمجھ والا عظیم قانون دان جب قرآن پاک کے مختلف مقامات پہ غور کرتا ہو گا تو کہاں تک' کس گہرائی تک غوطہ زن ہوتا ہو گا۔ کہا کرتے بڑے افسوس کا مقام ہے کہ نہ تحریک جدوجہد پاکستان کی کوئی مستند تاریخ لکھی گئی نہ قائد کی ایسی سوانح حیات جو ان کی زندگی کے ان پہلوؤں کا بھی احاطہ کرتی جو سطحی نظر سے دیکھے جانے سے کہیں زیادہ توجہ کے مستحق تھے' یہ سوانح عمریاں سیاسی اور قانونی پہلوؤں کو تو سامنے لاتی ہیں مگر اس شخص کی عظمت کردار سے انصاف نہیں کرتیں جس کے بل پر وہ اس پسماندہ' درماندہ' مفلس' بے بس قوم کو انگریز کی طاقت' ہندو کی چالاکی اور قال اللہ اور قال الرسول کہنے والوں کی مخالفتوں کے علی الرغم آزاد مملکت کے قیام کی منزل تک لے آئی۔ فرعونوں' قارونوں اور ہامانوں کے لشکروں سے بچا کر اسے وادی سینا میں لا بسایا۔

انسان کی عظمت کے بارے میں پرویزؒ صاحب کے خیالات کا میں نے ذکر کیا تو مجھے خیال گزرا کہ ایک اور بات کا ذکر بھی کرتا چلوں--- وہ **ولقد کرمنا بنی ادم** کے اس حد تک قائل تھے کہ کسی کو کمتر نہ سمجھتے' ہر ایک کے ساتھ یوں پیش آتے کہ وہ کسی پہلو کسی محسوس نہ کرے۔ میں ان سے ہر پہلو کم تر' علم و دانش میں' تجربے میں' عمر میں' لیکن ہمیشہ انہوں نے مجھے ڈاکٹر صاحب کہہ کر ہی مخاطب کیا'--- بڑے آدمی کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ مخاطب سے اس کی سطح کو سمجھ کر اس کے حسب حال بات کرتا ہے کہ وہ اپنا سا ہی محسوس ہو۔ ملاقاتوں کے شروع کا زمانہ تھا' میں اس زمانے میں کہانیاں لکھا کرتا تھا۔ خود کو افسانہ نویسوں میں شمار کرتا تھا۔ ایک ناول بھی لکھ رکھا تھا' ایک دن وہ انہیں پیش کرنے کے لئے لے گیا' سوچتا رہا کیا کہہ کر پیش کروں' اس پر لکھا' "اس شرمندگی کے ساتھ کہ کسے پیش کر رہا ہوں" پڑھا' مسکرائے' خوشدلی سے کہا' ڈاکٹر صاحب یہ کیا لکھا آپ نے' برآور ہرچہ اندر سینہ داری سرودے' نالہ آہے' فغانے-- مجھے حوصلہ ملا' شرمندگی دور ہو گئی میری نظروں میں خود میری عزت نفس بحال ہو گئی۔

ان کی تصانیف ہمارے سامنے ہیں' انہوں نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ کوئی غور کرے تو یہ ایک انسان کی کاوش لگتی ہی نہیں۔ ایک مختصر سی زندگی میں ممکن ہی نہیں لگتا کہ کوئی یہ کچھ لکھ سکتا ہے۔ رطب و یابس نہیں' خیال و خواب کی باتیں نہیں' افسانے اور ناول نہیں' خالص علمی' تحقیقی' اوریجنل' انسان نے کیا سوچا' من و یزداں' ابلیس و آدم' نظام ربوبیت' جہان فردا' معارف القرآن کی متعدد جلدیں' لغات القرآن جیسی علم و آگہی کے راستے روشن کرنے والی کتاب' پھر تبویب القرآن جو قرآن کو سمجھنے میں اس قدر سہولت بہم پہنچائے اور پھر خود قرآن پاک سے حضورؐ کی سیرت طیبہ پہ معراج انسانیت جیسی ضخیم' عظیم اور منفرد انداز کی کتاب' ہفتہ وار درس قرآن اس کے علاوہ' جس میں کبھی ناغہ نہ ہوتا' سوچئے جو انہیں نہ جانتا ہو اس سب پہ یقین کر سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے وہ بات درست ہی ہو گی جو میں نے قریبی احباب میں سے کسی سے سنی تھی کہ عراق کا کوئی بہت بڑا شخص انہیں ملنے کے

ارادے سے آیا کہ وہ کون شخص ہے جس نے اس قدر عرق ریزی سے تحقیق و تجسس سے علم دین سے متعلق یہ سب کام کئے ہیں۔ 25' بی پہنچا' کوئی جاننے والا انہیں اسی بڑے کمرے میں لے گیا جس کا میں نے ذکر کیا' آلتی پالتی مارے بڑی سی کرسی پہ ایک شخص قلم ہاتھ میں تھامے لکھنے میں مصروف تھا' کیا یہی وہ شخص ہے یہ سب تصانیف انہی کی ہیں' پوچھا ان کا سیکریٹریٹ' ان کا عملہ کہاں بیٹھتا ہے' ادارہ کہاں۔۔۔ جواب ملا' یہی صاحب ہیں' ان کا عملہ اور سیکریٹریٹ تو کیا ان کا تو کوئی ایک سیکرٹری' ایک پی اے' ایک کلرک تک نہیں' وہ صاحب یہ کہہ کر الٹے پاؤں لوٹ گئے کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو' یہ ممکن ہی نہیں' کوئی ایک اکیلا شخص یہ سب کام کیسے کر سکتا ہے' میں نہیں مانتا۔

کون انہیں سمجھاتا' ہاں واقعی

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مذہبی قسم کے لوگوں کے متعلق عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ بڑے خشک قسم کے لوگ ہوتے ہیں' زاہد' زاہد خشک سے اسی لئے شاعروں کی چھیڑ چھاڑ' پھبتیاں اور مذاق اردو فارسی ادب میں عام ہیں۔ لیکن پرویزؒ صاحب کا شعر و ادب کا ذوق اس قدر بلند تھا کہ باید و شاید' طبیعت شگفتہ پائی تھی۔ شعر و نغمہ' ادب و موسیقی سے دلچسپی بلکہ عبور بہت سے اصحاب کے لئے ایک انوکھا انکشاف ہو سکتا ہے۔ اچھے اچھے استاد اس بات کے معترف تھے Vocal اور Instrumental میوزک دونوں کے رمز شناس تھے۔ درس میں علامہ اقبالؒ کے اشعار اکثر شامل ہوتے' ان کے علاوہ بھی جب بھی کوئی شعر شامل گفتگو ہوا محسوس ہوا گویا اسی موقع کے لئے کہا گیا تھا۔ جو اصحاب پرانی کنونشنوں میں شریک رہے ہیں انہیں یاد ہو گا اس میں سوال وجواب کا ایک سیشن ہوا کرتا تھا جس میں جوابات میں اکثر لطیفوں کی چاشنی ہوا کرتی تھی۔ میرے ایک عزیز محض یہ لطیفے سننے کے لئے یہ سیشن ضرور سنا کرتے تھے۔ خدا جانے انہیں کیا ادا بھائی' کس چیز نے متاثر کیا کہ طلوع اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پھر کتابیں پڑھیں پھر درس میں آنے لگے اور آہستہ آہستہ شمع قرآنی کے پروانوں میں شامل ہو گئے۔

فارسی کے اشعار پڑھتے تو کہتے اب اس کا مطلب بھی سمجھانا پڑے گا۔ اب تو اردو کے اشعار کا مطلب بھی سمجھانا پڑتا ہے۔ اقبال کا فارسی کا کچھ کلام تو ہم نے بھی کچھ ان سے سمجھا' عربی زبان کی کچھ کلاسوں میں بھی حاضری بھری مگر ہم نالائق اور بھگوڑے شاگرد رہے' استاد سے وہ فیض حاصل نہ کر سکے جو ان کی آرزو تھی۔۔ (اے خدا کوئی ہمنوا ہی دے) شاید اپنی بھی یہ تمنا تھی کہ کچھ کسب فیض کریں' کچھ ان سے حاصل کریں۔ یہ ہمارے بس میں کہاں کہ ان کی طرح وہ سب کچھ برداشت کر سکتے جو انہوں نے اس راہ پہ گامزن ہوتے ہوئے کیا۔ انہی کی زبانی ہم نے ان کے سفر کا حال سنا تلاش حق میں کن کن سنگلاخ راستوں سے گزر کر وہ گلستان قرآنی تک پہنچے' کیسی کیسی خار دار وادیوں میں انہیں بھٹکنا پڑا' کیسے کیسے چلے' مراقبے' وظیفے' جاں گداز مشقیں برداشت کیں۔ اس سلسلے میں شمشان گھاٹوں میں تپسیائیں بھی کیں۔ ایک مدراسی گورو سے ویدانت کی زبانی اور عملی تربیت بھی حاصل کی۔ کہاں کہاں صحت اور اعصاب و آزمایا مگر جب قرآن پاک کو اقبال کے سمجھائے ہوئے طریقے سے سمجھا تو ہر چیز عیاں ہو گئی۔ اس سراج منیر کی روشنی کے بعد کسی روشنی کی حاجت نہ رہی۔

کاش مجھے اتنی فرصت میسر ہوتی کہ میں زیادہ دیر ان کی محفل میں بیٹھ سکتا' یا اتنی توفیق ہوتی کہ ان تمام باتوں کو احاطہ تحریر میں لا کر محفوظ کر سکتا۔ غم دوراں یا جسے انشاء نے گردش فلک کی کہا ہے' اس نے کسے چین لینے دیا ہے' ہم کس شمار قطار میں ہیں' سچی بات ہے محرومی کے احساس میں اپنی کوتاہیاں ہی سرفہرست ہیں۔

غم آرزو کا حسرت' سبب اور کیا بتاؤں
مرے شوق کی بلندی' مری ہمتوں کی پستی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

علامہ رحمت اللہ طارق

نماز پنج گانہ

فصل لربک وانحر

اس آیت میں جسمانی اور مالی عبادات کے آداب بتلائے گئے ہیں کہ **صلوٰۃ** کا قیام ہو تو صرف خدائے لا یزال کیلئے اور مالی اشیاء اور قربانیاں ہوں تو وہ بھی اسی ذات بے ہمتا کیلئے۔۔ اور یہ بھی دراصل سیدنا ابراہیمؑ کے عقیدے کی بازگشت ہے کہ آپ نے بھی کہا تھا۔ **ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العالمین**۔ میری **صلوٰۃ** اور دیگر طریقہ ہائے عبادت' میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے دین کی سربلندی کیلئے ہے (انعام' 162) یعنی **صلوٰۃ** جو کہ خالص توحید کا پرتو ہے وہاں بھی "**لرب العالمین**" تھی اور یہاں بھی "**لربک**" رب کے لئے ہی خاص ہے۔

وجہ **اعتراض** یہ ہے کہ یہاں **صلوٰۃ** کا ترجمہ نماز اور "**اقیمو**" کا مفہوم پڑھنا بتلایا جاتا ہے جبکہ پڑھنے کا حکم کہیں بھی نہیں ہے ہر جگہ "**اقیموا**" ہی "**اقیموا**" ہے۔ اس طرح "نماز" آتش پرست مجوسیوں کی پرستش کا نام ہے۔ بنابریں صرف مجوسی طریق عبادت کی عکاسی کرتی ہے جبکہ مسلمانوں کو ایسی توحید شکن عبادت کا حکم نہیں دیا گیا۔

قول فیصل :- اسلامی عبادات کی غرض و غایت جب اللہ کی عبودیت اور اس کے دین کی سربلندی بتلائی گئی ہے اور جب اللہ "**رب العالمین**" و "**لربک**" کے مہک دار الفاظ میں قرآن گواہی دیتا ہے کہ اسلامی عبادات صرف خدائے لا یزال کیلئے ہوتی ہیں۔ ان میں نہ مجوسیوں والی پرستش کا شائبہ ہے نہ دیگر اصنام پرستوں کی کسی روش کی پیروی کی جھلک ! ایسے میں **صلوٰۃ** کو صرف ترجمہ کے بہانے مجوسی پرستش کا نام دینا بڑی زیادتی ہے۔۔۔۔۔ خاص کر میرے نزدیک تراجم کیلئے لسانیات کا یہ اصول بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ مختلف زبانوں کے درمیان الفاظ و مفاہیم منتقل ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ایک لفظ جو کسی خاص علاقے اور زبان سے منتقل ہو کر دوسری زبان کا لفظ بن جاتا ہے اور دوسری قوم اس لفظ کو اپنے مزاج اور مفہوم میں ڈھال لیتی ہے۔ بلکہ وہ لفظ نئے وطن' نئی زبان اور نئے ماحول میں اتنا رچ بس جاتا ہے کہ اجنبیت کا شائبہ تک نہیں رہتا۔ تو یوں ہوتا ہے کہ اس کا سابقہ زبان سے رشتہ بالکل ہی کٹ جاتا ہے۔ وہاں اگر کسی مکروہ مقصد کیلئے استعمال ہوتا تھا اور یہاں آکر پاکیزہ غایت کا حامل بن جاتا ہے تو ہم اسے ٹھکرانے کا حق نہیں رکھتے' کہ اس سے فلسفہ لسانیات سے لاعلمی کی "بو" بھی آتی ہے اور نئی زبان کی توہین بھی۔ وضاحت استدراک میں آرہی ہے۔

اس اصول کی روشنی میں **صلوٰۃ** کو "نماز" کا پیرہن پہنانے میں نہ قباحت ہے اور نہ ہی لسانیات کے کسی ضابطے کی خلاف ورزی۔ اس بنا پر مسلمانوں نے اگر نماز کے لفظ کو پرستش کے مفہوم سے عاری کر کے اطاعت اور احکام خداوندی کی بجا آوری کیلئے استعمال کیا ہے تو کون سا کفر تولا ہے اور مجوسی پرستش کا کیسے اعتراف کیا ہے؟ اس وضاحت کے بعد میں **صلوٰۃ** کو نماز ہی کہوں گا کہ بات نمٹانے کیلئے اس سے زیادہ مختصر اور زیادہ آسان لفظ مجھے نہیں مل رہا۔ ویسے میرے نزدیک "**الصلوٰۃ**" کا لفظ پورے نظام قرآنی پر حاوی اور جامع اصطلاح کی حیثیت رکھتا ہے اور اصطلاحات کا ترجمہ نہ ہونا چاہئے کہ ترجمہ سے اصطلاح کی "جامعیت" متاثر ہو جاتی ہے تاہم **صلوٰۃ** ایک "پہلو دار" لفظ بھی ہے یہ جامد اور ٹھس یا "یک معنی" لفظ نہیں ہے۔ اسے کسی ایک مفہوم میں محدود کر کے دیگر تمام مفاہیم کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ یہ ایک مقام پر اگر معیشت سنوارنے اور نظام معیشت قائم کرنے کیلئے استعمال کیا گیا ہے تو اس سے دیگر مفاہیم جو اپنی اپنی مناسبتوں سے وجود رکھتے ہیں کیوں کر بے معنیٰ یا معطل ہو سکتے ہیں؟ یہاں تو ہر مفہوم قرائن ہی سے کشید ہو گا کہ قرائن کو معنیٰ آفرینی میں بڑا دخل ہوتا ہے جیسا قرینہ ویسے معنیٰ۔ ان لسانی ضوابط کی وضاحت کے بعد ذیلی عنوانات کے ذریعہ **صلوٰۃ** کی حقیقت معلوم کیجئے۔

صلوٰۃ میدان جنگ میں :- سورہ نساء میں ذہن نشین فرمایا ہے کہ جب موت سر پر کھڑی ہو۔ تیروں کی یورش ہو اور تیغ و سناں سے انسانی جسم چھلنی ہو رہے ہوں اور ایسے ہی نازک لمحوں میں وقت نماز آیا ہو تو۔۔ اے نبی **علیک السلام**' ایسے میں مسلمانوں کو دو گروپوں میں تقسیم کر دو۔ اب ایک دھڑا تو دشمن کے خلاف صف بستہ کھڑا ہو اور دوسرا آپؐ کی قیادت میں ان کے عقب میں نماز قائم کرنے میں مصروف ہو جائے۔ جب ایک رکعت ختم ہو تو یہ گروپ پہلے گروپ کی جگہ پر پہنچ جائے اور وہ نماز کی جگہ چلا جائے۔ (مفہوم از نساء۔ 102)

یہاں **سجدوا فلیکونو من ورائکم** ایک توانا قرینہ ہے کہ یہ میدان جنگ میں رکوع و سجود والی **صلوٰۃ** تھی جبکہ نظام معیشت بھی اسلامی اصولوں پر قائم تھا لیکن نبی اکرمؐ نے اس بہانے رکوع و سجود والی **صلوٰۃ** کی نہ تو نفی کی اور نہ ہی موخر کرنے کا بہانہ پیش کیا۔ بات صاف ہو گئی کہ ہر نظام کسی بھی عذر بہانے سے حذف ہو سکتا ہے مگر نماز کسی حال میں بھی معاف نہیں ہو سکتی۔

صلوٰۃ کے لئے وضو :- ارشاد ہے **اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق۔**

جب قیام **صلوٰۃ** کیلئے اٹھو تو منہ' ہاتھ اور پاؤں دھو لو یعنی وضو کر لو۔ (مائدہ' 6)

یہاں "وضو" قرینہ ہے کہ **صلوٰۃ** سے رکوع و سجدہ والی نماز ہی مراد ہے اگر نظام معیشت کیلئے وضو کو لازم ٹھہرایا جاتا تو معیشت سے مربوط تمام شعبوں کے وزراء' ان کا پورا سیکریٹریٹ اور عمال حکومت کیلئے دفتروں میں باوضو داخل ہونا اور باوضو بیٹھنا ایک مصیبت بن جاتی۔ خاص کر وزارت تجارت' وزارت صنعت اور وزارت زراعت کے وزراء اگر غیر مسلم ہوں تو ان کے لئے وضو ایک شامت بن جائے گی۔

صلوٰۃ کیلئے اذان :- ارشاد ہے **اذا نودی لصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللّٰہ۔**

جب **صلوٰۃ** جمعہ کیلئے اذان ہو تو اللہ کا کلام سننے کیلئے جلدی جلدی چل پڑو۔ (جمعہ' 9)

یہاں "اذان" مضبوط قرینہ ہے کہ **صلوٰۃ** سے مراد "نماز" ہی ہے کہ نظام معیشت کیلئے "اذان" نہیں ہوتی۔ یہاں خاص بات یہ ہے کہ فرمایا۔ **وذروا البیع** جب اذان ہو تو معیشت کے تمام سازوسامان چھوڑ دو۔ **فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض**۔ جب **صلوٰۃ** ہو چکی ہو تو اپنے اپنے ذرائع معاش میں لگ جاؤ۔ (جمعہ' 10)

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک تو قرآن نے **ذکر اللّٰہ** کا مفہوم خود ہی بتلا دیا کہ اس سے مراد **صلوٰۃ** ہے دوسرا یہ کہ یہاں **صلوٰۃ** سے مراد اگر نظام معیشت ہوتا تو تجارت جو ذرائع معیشت کا اہم شعبہ ہے اسے ترک کر دینے کے کیا معنٰی ہو سکتے تھے؟۔ یارو کچھ تو سوچو قرآن والے ہو۔ قرآن کی حقیقت کو مسخ کرنے کا جتن کیوں کر رہے ہو؟

اوقات کس صلوٰۃ کی غمازی کر رہے ہیں؟ :- سورہ نور میں **من قبل صلوٰۃ الفجر**۔ اور **بعد صلوٰۃ العشاء** کے الفاظ آئے ہیں اور ان کے درمیان **من بعد الظہیرۃ** کا لفظ واقعہ ہے جو دو **صلوٰتوں** کے درمیان آنے کی وجہ سے **صلوٰۃ ظہرین** (ظہر و عصر) ہی کا غماز ہے مفہوم یہ ہے کہ :-

مومنو۔ تمہارے گھریلو خادم اور نابالغ بچے۔۔ تین اوقات میں تمہاری خلوتوں میں حائل نہ ہوں یعنی تمہاری خوابگاہوں میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں کہ ان اوقات میں گرم موسم کے باعث تم کچھ کپڑے اتار لیتے ہو (1) صبح کی نماز سے پہلے (2) دوپہر کے وقت اور (3) **صلوٰۃ** عشاء کے بعد۔ (نور' 58)

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ مسلمانوں میں **صلوٰۃ** کے اوقات اس حد تک شہرت پائے ہوئے تھے کہ پڑھے لکھے اور ان پڑھ جب وقت معلوم کرنا چاہتے تو اوقات **صلوٰۃ** کی مناسبت اور حوالہ سے معلوم کر لیتے تھے۔ نہ گھڑیوں کی احتیاج نہ ٹائم پیسوں کی ضرورت ! سوال یہ ہے کہ کیا نظام معیشت کیلئے بھی ایسا معیار مقرر تھا؟ کیا یہاں تین بار **صلوٰۃ** کے اوقات کا ذکر خود رکوع و سجود والی صلاتوں کی غمازی نہیں کرتا؟ قرآن والو قرآن کی حقیقتوں کو تسلیم کر لو اپنی ذات کو نمایاں کرنے کیلئے انحراف کی روش نہ اپناؤ۔

صبح و شام' عشاء اور ظہرین کی نمازیں :- ارشاد ہے۔ **و اقم الصلوٰۃ طرفی النہار و زلفا من الیل**۔ صبح' شام اور رات کے ابتدائی حصوں میں **صلوٰۃ** قائم کرو۔ اس آیت میں صبح و شام اور عشاء کی نمازوں کی اقامت کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح اسراء میں فرمایا **اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل**۔ (اسراء' 78)

یہاں **دلوک** کے معنی۔ آفتاب کا ظہر کے وقت وسط آسمان سے نیچے کی طرف ڈھل جانا اور **غسق** رات کے پہلے حصے کی تاریکی کو کہتے ہیں۔۔۔ یہاں پھر دوپہر کی دو نمازوں اور شام کی دو نمازوں کا حکم دے کر اوقات قیام کی وضاحت کر دی ہے' حاصل مبحث یہ کہ نور (58) اور اسراء (78) نے اوقات **صلوٰۃ** کی غیر مبہم الفاظ میں نشاندہی کر دی ہے۔

تباہی کا گڑھا :- سورہ مدثر۔۔۔ میں فرمایا **ماسلککم فی سقر** ○ **قالوا لم نک من المصلین** ○ **ولم نک نطعم المسکین** ○ ان سے جب کہا گیا کونسی چیز تم کو تباہی کے دہانے پر لے گئی؟ انہوں نے کہا (1) نہ تو ہم نے نماز کی عادت بنائی اور نہ ہی (2) کسی نادار کو معاشی سنبھالا دیا۔ (مدثر' 44-42)

اسی مفہوم کو سورہ ماعون۔ میں اس طرح دہرایا ہے کہ :

اے مخاطب۔ اس ناہنجار کو نہیں دیکھتے کہ معیشت اور **صلوٰۃ** کے بارے میں قانون خدا کو جھٹلاتا ہے یعنی عملی طور پر کسی بھی یتیم اور نادار کی روزی رسانی میں کوئی سی دلچسپی نہیں لیتا۔۔۔ نمازیں پڑھتا ہے تو صد افسوس کہ مقاصد **صلوٰۃ** سے غافل ہے یعنی دکھاوے کی نمازیں تو پڑھ لیتا ہے مگر ضرورت مندوں کی احتیاج کو روکے ہوئے بھی ہے۔ (ماعون)

یہاں مدثر اور ماعون نے مل کر **صلوٰۃ** اور معاش میں جو حد فاصل ہے اسے واضح بھی کیا ہے اور دونوں نظاموں یعنی نظام **صلوٰۃ** اور نظام معیشت کی تکمیل کیلئے کچھ نہ کرنے کو سنگین نوعیت کا جرم بھی قرار دیا ہے۔

صلوٰۃ میں معیشت کا اندماج :- ہم مانتے ہیں کہ **صلوٰۃ** ایک پہلو دار لفظ ہے جس کے مفہوم میں معیشت سنوارنے کا اشارہ بھی ہے لیکن جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ کچھ ضروری نہیں کہ ہر مقام پر یہ طے شدہ مفہوم ہو کہ **صلوٰۃ** لامحالہ معیشت ہی کی نماز ہے؟ جبکہ مصحف مقدس کی پہلی ہی سورہ میں ہے۔ **یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقناھم ینفقون** ○ یہ قرآن ان ہی لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے جو اپنے طرز عمل میں احتیاط برت کر (1) **صلوٰۃ** بھی قائم کرتے ہیں اور (2) جو کچھ انہیں ہم نے دے رکھا ہے اسے ضرورت مندوں پر کھلا بھی رکھتے ہیں۔ (بقرہ- 2)

اس طرح اقامت **صلوٰۃ** اور انفاق جو کہ معیشت کا اہم ستون ہے دونوں کو علیحدہ ذکر فرما کر ان میں جو حد فاصل ہے وہ بتلا دی ہے لہٰذا دونوں کو ایک دوسرے میں "مندرج" کرنا مناسب نہ ہو گا خاص کر انفاق۔۔۔ صاحبان مال و دولت پر فرض ہے جبکہ **صلوٰۃ** کیلئے ایسی شرط نہیں ہے لہٰذا دونوں احکام اپنے اپنے مقام پر مستقل حیثیت رکھتے ہیں ان میں سے کسی ایک کی بجا آوری دوسرے کی بجا آوری کا لازمی نتیجہ نہیں ہو سکتی۔

کہا جاتا ہے کہ **اقیموا الصلوٰۃ و اتوالزکوٰۃ** کے معنی ہیں نظام معیشت قائم کرو اور ناداروں کو نشوونما دو۔

(نساء 77)

یہاں دو حکموں کو ایک ہی حکم میں ضم کر کے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہ ایک ہی حکم ہے جو صرف ناداروں کو نشوونما دینے کیلئے صادر ہوا ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ **اقیموا الصلوٰۃ** اس اتھارٹی سے تعبیر ہے جو ناداروں کو نشوونما دے دے۔ لیکن یہ تعبیر بجائے خود غلط ہے۔۔۔ **اقیموا** کو۔۔۔ حدود و تعزیرات کے نفاذ کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ لین دین و قرضہ جات کی متفرق سکیموں پر اس کا نام نہیں لیا جاتا۔۔۔ اگر **صلوٰۃ** ہمہ گیر نظام اسلامی کے نفاذ سے تعبیر ہے تو اسے صرف زکوٰۃ و خیرات بانٹنے والوں کی اتھارٹی سے کیوں موسوم کیا جاتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ معیشت بھی ایک نظام ہے اور ایک مرحلے پر اس کی اصلاح کو **صلوٰۃ** بھی کہا گیا ہے (ہود' 86)۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ جہاں بھی **صلوٰۃ** کا لفظ دستیاب ہو اس سے لامحالہ نظام معیشت ہی مراد ہو؟۔ خاص کر زکوٰۃ کا تعلق تو صاحبان زر و جواہر سے ہے جبکہ یہ کہیں نہیں لکھا کہ **اقیموا الصلوٰۃ** کے مخاطب بھی پیسے والے ہی ہیں۔ پھر سوچئے کہ یہ **اقیموا** --- امر کے صیغے سے جملہ مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ جیسے کہ حج (78) نور (56) مجادلہ (13) مزمل (20) سے واضح ہے اور یہی جملہ درجن سے زائد مرتبہ فاعلی مفہوم میں بلکہ حال اور مستقبل کے صیغوں میں بھی استعمال ہوا ہے لیکن اتنے مقامات پر اسے ایک ہی مفہوم میں محصور کر کے پھر اس پر زکوٰۃ کی "تفریع" کرنا اور نشوونما کا روپ دینا عربی قواعد کی رو سے ناممکن ہے۔ دو لفظ جب دو مختلف مادوں سے تعلق رکھتے ہوں تو بغیر قرائن کے متحد المفہوم نہیں ہو سکتے۔ لیکن حادثہ یہ ہے کہ ہمارے مہربان اس حقیقت کا ادراک نہیں کرتے انہیں "نشوونما" دینے کا لفظ کہیں سے

تو گیا ہے مگر مقامات استعمال کی رعایت کا انہیں پتہ ہے نہ شعور۔ جبکہ ہمارے نزدیک زکوٰۃ بلاشبہ ایک کثیرالمنافع منصوبہ ہے کہ اس کے بغیر نہ تو اسلامی معاشیات کا سلسلہ چل سکتا ہے نہ اسلامی مملکت کو استحکام مل سکتا ہے یہی وجہ ہے سیدنا ابوبکر صدیقؓ (634م) نے زکوٰۃ نادہندگان سے نرمی نہیں برتی اور وصول کر کے ہی رہے لیکن اس کے لئے نظام **صلوٰۃ** کی قربانی دینے یا نفی کر دینے کیلئے اسے زکوٰۃ ہی میں "ضم" کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

نماز کے استعارے :- قرآن میں اکثر مقامات پر اقامت **صلوٰۃ** کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے جو رکوع و سجود۔ قیام اور قعود سے تعبیر ہے تاہم بہت سے مقامات پر **صلوٰۃ** کا لفظ نہیں بھی آیا۔ اس کے لئے روشن استعارات استعمال ہوئے ہیں مثلاً" **سجدا** اور **السجود** (فتح' 29) **ساجدا و قائما** (زمر' 9) **الراکعون الساجدون** (توبہ' 112) **یا ایھا الذین امنوا۔ ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم** (حج' 77) یہاں حج میں وضاحت کر دی کہ اسلامی نماز پرستش نہیں حکم خداوندی کے مطابق عبودیت اور اطاعت کی بجا آوری سے تعبیر ہے۔ (**واعبدوا ربکم**)۔

نماز اسلامی نظام کا لازمی عنصر ہے :- **صلوٰۃ** اسلامی نظام اطاعت کا محسوس پیکر ہے۔ اسے بیماری یا حالت جنگ میں بہرقیمت ادا کرنا پڑتا ہے۔ صحابہ رسولؐ جنہوں نے عملی طور پر اسلامی نظام نافذ کیا تھا وہ موت کے منہ میں چلے گئے مگر رکوع و سجدہ والی **صلوٰۃ** سے غافل نہیں ہوئے۔ حضرت فاروق اعظمؓ (644م) نماز کی حالت میں خنجر لولو سے گھائل ہوئے۔ حضرت علیؓ (661م) ابن ملجم مرادی کی خوں آشام تلوار کا لقمہ نماز ہی میں بنے۔ حضرت عمروؓ بن العاص (664م) طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے امامت نہ کرا سکے ان کے نائب **صلوٰۃ** نماز ہی کی حالت میں شہید ہوئے۔ اسی گروہ کے ہاتھوں دمشق میں صبح کی نماز کے وقت حضرت معاویہؓ (680م) پر قاتلانہ حملہ ہوا اور آپ کا گھٹنہ گھائل ہو گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ صدر اول کے مسلمان **صلوٰۃ** کو اپنی "پہچان" کے طور پر ادا کرتے اور نازک سے نازک مراحل میں بھی اپنی شناخت سے دست کش نہ ہوتے تھے۔

صلوٰۃ ثقافتی زاویہ سے :- **صلوٰۃ** اسلامی ثقافت کا روشن استعارہ اور اطاعت خداوندی کا رمزی پیکر ہے۔ زندہ قومیں اپنے ثقافتی ورثوں کی حفاظت کر کے اپنے سیاسی' اخلاقی اور دینی وجود کا احساس دلاتی ہیں۔ جو اس سے غافل ہیں وہ اپنے وجود اور ذات کی نفی کئے دیتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ یہاں کوئی جہنم میں جائے کوئی سمندر میں ڈوبے ہمارے من چلے روشن خیال قرآن کے منہ میں اپنی بات ڈال کر فخریا" **صلوٰۃ** جیسی پہچان کی نفی میں لگے ہوئے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے اسے مسلم اور غیر مسلم کے مابین امتیاز اور پہچان کا محسوس ذریعہ بنایا تھا یہ اپنے پیارے نبیؐ پر بھی اعتماد نہیں کرتے۔

استدراک۔ نماز پنج گانہ :- میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اب پھر گزارش ہے کہ ایک لفظ جب اپنے وطن اور قوم سے بچھڑ کر سفر کر کے دوسرے دیس میں پہنچ جاتا ہے اور اس دیس والوں میں اس کی اتنی پذیرائی ہوتی ہے کہ اجنبیت کا احساس تک ختم ہو جاتا ہے تو اسے قبول کرنے میں جھجک نہ ہونی چاہئے ہاں اگر کوئی نظریاتی لفظ ہے تو بھی اہل زبان اپنی لسانی نزاکتوں کا ہم سے زیادہ ادراک رکھتے اور پہلے ہی مرحلے پر اسے اپنے مزاج میں ڈھال کر لسانی ذوق کا مظاہرہ کئے دیتے ہیں۔

یہ نہ صرف لسانیات کا اصول ہے کہ زبانوں کے اختلاط سے مفردات کا تبادلہ ہو جاتا ہے۔ مشاہدہ بھی اس کا گواہ ہے کہ ایسا ہو ہی جاتا ہے **مثلاً**" برطانیہ سے ہند میں ہزاروں الفاظ اس شان سے وارد ہوئے کہ یہیں کے ہو رہے حالانکہ یہاں نہ ہمسائیگی کی سہولت تھی نہ فاصلہ مختصر ہونے کا فائدہ **مثلاً**" ریل۔ موٹر۔ بائیکل۔ پنکچر۔ اکیڈنٹ۔ ٹیوب' ٹائر۔ انجکشن۔ پولیس۔ رپورٹ۔ ٹائپ رائٹر۔ فوٹو سٹیٹ۔ کمپیوٹر وغیرہ وغیرہ اور یہ الفاظ ایسے ہیں جن کے نہ ترجمہ کی ضرورت رہی نہ متبادل تجویز کرنے کی بلکہ قرآن جس کے بارے میں ارشاد ہے **ھذا لسان عربی مبین**--- یہ فصیح عربی میں ہے (نحل' 103- شعراء 195) لیکن اس کی بابت بھی تحقیق یہ ہے کہ بعض الفاظ جو عرب جاہلیت میں عربی میں راہ پا چکے تھے اور عرب اسے بے **تکلف تعریب** کے سانچے میں ڈھال کر عربیا لیتے تھے تو قرآن نے ایسے الفاظ کو بھی فصاحت کے خانے میں رکھ کر **عربی مبین** کہا ہے **مثلاً**" **زنجبیل** کا لفظ ہے اسے صاحب محیط نے فارسی کے "شنکبیل" کا معرب قرار دیا ہے جبکہ علامہ پرویزؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ "شگویر" ہے۔

(لغات القرآن طبع لاہور جلد 816/2)۔

اسی طرح قرآن پاک میں۔ "**ابریق**" کا لفظ ہے جو وضو کرنے کے لوٹے۔ کو کہتے ہیں یہ بھی فارسی الاصل ہے۔ جو اصل میں **آب ریز** تھا معرب ہو کر **ابریق** بنا۔ (لغات القرآن جلد 315/1)

نیز **سندس** کا لفظ ہے جو نزول قرآن سے پہلے ہی فصیح عربی کا روپ دھار چکا تھا۔ یہ بھی اجنبی لفظ ہے مگر قرآن نے اسے اس شان سے ذکر کیا ہے جیسے اصلی عربی کا لفظ ہو اس کے معنی موٹے ریشمی کپڑے کے ہیں۔

(لغات القرآن 907/2)

اسی طرح بہت سے دیگر الفاظ بھی ہیں جو مختلف زبانوں سے الگ ہو کر نزول قرآن سے پہلے ہی فصاحت کے میدان میں قدم رکھ چکے تھے۔ کیونکہ زندہ زبانوں کی علامت یہ ہے کہ اجنبی الفاظ کا خیر مقدم کر کے اپنے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کر لیتی ہیں۔ اسی طرح فارسی' سندھی اور سرائیکی زبان کی نصف مفردات عربی ہی سے ماخوذ ہیں۔ ایسے میں یہ کہنا کہ--- ترجمہ چونکہ اپنے اندر پس منظر کا عکس رکھتا ہے فلسفہ لسانیات سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ کیا وہ قومیں جو اجنبی ذخیرہ الفاظ کو پناہ دیتیں اور تحفظ فراہم کرتی ہیں عقل باختہ اور کج فہم ہوتی ہیں؟ کاش اس انارکیت کا مداوا ہو جاتا۔

عربی زبان نہ صرف ذخیرہ الفاظ سے مالامال ہے آرامی زبانوں میں سب سے قدیم اور ماخذ کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ ایرانی مفردات قدیم ہی سے عربیت کی دریوزہ گر رہی ہیں۔ پیشدادی' کیانی اور ساسانی عہد تک ایران' عربوں کے سیاسی اور لسانی تسلط میں رہا ہے لہذا وہ عربی الفاظ کے مزاج اور رجحانات سے پوری آگہی رکھتا تھا۔ انہوں نے **صلوٰۃ** کو نماز میں منتقل کیا بھی ہے تو عربی و اسلامی مزاج کو سامنے رکھ کر ہی منتقل کیا ہے۔ وہ اگر کہیں کج روی اور کج نہادی کا ثبوت دیتے تو اس وقت کے وسط ایشیائی اور عرب **متسلطین** اس کی اجازت نہ دے سکتے تھے۔ **حمیری** بادشاہ **ضحاک** نے ایرانی فرماں روا بہرام گور کو **شکست** دی تو یہ بہرام عرب کا قادر الکلام شاعر اور دانشور کی حیثیت سے متعارف ہو چکا تھا۔ ان روابط سے پتہ چلتا ہے کہ ایرانی اور عربی زبانیں قدیم ہی سے اچھے ہمسایوں کی طرح ایک دوسرے کو قبول کر چکی تھیں۔ فارسی میں الف و نون جمع کی **علامت** سمجھے جاتے تھے جیسے دختران' پسراں'

جواناں و سالخوردگان وغیرہ۔ اسی طرح عرب قدیم بھی الف و نون سے جمع بنانے کا کام لیتے تھے جیسے "ضیف" کی جمع "ضیفان"۔ وادی کی جمع ودیان اور غراب کی جمع غربان۔ دغیرہ وغیرہ۔

اس وضاحت کے ساتھ ہی عربی اور ایرانی بعض مفردات کے نمونے پیش کر رہا ہوں تاکہ تعریب کے تناظر میں دونوں کا "ہجائی" فرق معلوم ہو جائے۔ مثلاً :

(1) رات کو عربی میں "**لیل**" اور قدیم فارسی میں "لیلیا" کہتے تھے (2) سیب کو عربی میں "تفاح" اور قدیم ایرانی میں "توپا" بولتے تھے (3) بغل کو عربی میں "**کشح**" اور فارسی میں "کش" پکارتے تھے۔ (4) گھریا کمین گاہ کو "کوخ" اور قدیم فارسی میں "کاخ" کہتے تھے۔ (5) مرحبا کو عربی میں "بغ بغ" اور قدیم ایرانی میں "بخ بخ" بولتے تھے۔ (6) **طوفان** عربی کا لفظ ہے اسے فارسی میں توفان پکارتے تھے۔ (7) بات منہ میں رک جائے اسے عربی میں **حصر** اور قدیم فارسی میں "**ہسر**" کہتے تھے۔ (8) پیغمبر کو عربی میں **نبی** اور قدیم ایرانی میں "نپی" بولتے تھے۔ (9) عربی میں گناہ کو "**جناح**" اور قدیم فارسی میں جیم کو گاف میں بدل کر گناہ کہتے تھے بلکہ آج بھی جیم اور گاف کو ایک دوسرے کا متبادل کہا جاتا ہے۔ (10) ٹیڑھے کو عربی میں **کذ** اور فارسی میں کج کہا جاتا ہے۔ (11) خالص سونے کی ڈلی کو عربی میں **تبر** اور قدیم فارسی میں "تبار" کہتے ہیں۔

اسوہ رسولؐ :- میرا ایمان ہے کہ نماز، رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ اسوہ ہے۔ اس کی پیروی کرنا امت کے فرائض میں شامل ہے خاص کر یہ کوئی روایت نہیں۔ اسوہ مشاہدے کا خوشنما چہرہ ہے اور مشاہدے کی آنکھ جھوٹ نہیں بولتی وہ اپنے کیمرے میں جس حقیقت کو کیچ کر لیتی ہے لاکھوں انسان اس کی تصدیق پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسوہ کو روایت بتلانے والے ذہنی غباوت اور بلاوت کے مریض ہیں۔

حیدر آباد میں منی کنونشن

26 فروری بروز جمعة المبارک ☆☆☆ صبح **9** تا شام **5** بجے

موضوع

قرآن اور انسان

دعوت عام ہے۔ پیشگی اطلاع ملنے پر رہائش کا انتظام ممکن ہوگا۔ موسم کے مطابق بستر ہمراہ لائیں۔

نمائندہ بزم حیدر آباد

PAMPHLETS -- پمفلٹ

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس دو روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1 اسلام کیا ہے؟
2 الزکوٰۃ
3 کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
4 کافر گری
5 سوچیو (سندھی)
6 سوچا کرو
7 اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8 الصلوٰۃ
9 مرض تشخیص اور علاج
10 مقام اقبالؒ
11 دو قومی نظریہ
12 روٹی کا مسئلہ
13 جہاں مارکس ناکام رہ گیا
14 حرام کی کمائی
15 مرزائیت اور طلوع اسلام
16 مقام محمدی ﷺ
17 خدا کی مرضی
18 دعوت پرویز کیا ہے؟
19 فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
20 قرآن کا سیاسی نظام
21 ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
22 Islamic Ideology
23 آرٹ اور اسلام
24 احادیثؐ کا صحیح ترین مجموعہ
25 ماؤزے تنگ اور قرآن
26 ہم میں کریکٹر کیوں نہیں؟
27 عالمگیر افسانے
28 عورت قرآن کے آئینے میں
29 اندھے کی لکڑی
30 بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
31 قرآن کا معاشی نظام
32 قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
33 اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
34 اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے؟
35 Is Islam a Failure
36 Why Islam is the Only True Deen?

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر محمد منور

تو عرصۂ محشر میں ہے

کوئی بھی پاکستانی خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو قومی مسائل سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ خوش بختی سب کی خوش بختی ہے۔ بدبختی سب کی بدبختی ہے۔ سارے اہلِ قوم اس ملک کی بناء و تعمیر کے ذمہ دار تھے اور بقاء و توقیر کے ذمہ دار ہیں۔ افراد کے عزائم کا اتحاد اجتماعی قوت کی اساس ہے۔

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

اس اعتبار سے اجتماعی فلاح و بہبود اور استقلال و خلود کے معاملے میں سیاست دان اور غیر سیاست دان کی تفریق ایک "فرقہ وارانہ" بات ہو گی۔

حصولِ پاکستان کی جدوجہد کی روح باعزت بقاء کا جذبہ تھا۔ یہ وہی جذبہ تھا جس کے تحت عالمگیر نے اکبری روایات میں یکسر تبدیلی پیدا کر دینی چاہی تھی اور خاصا کامیاب بھی رہا تھا۔ یہ وہی جذبہ تھا جس نے سراج الدولہ، حیدر علی اور بطور خاص ابو الفتح ٹیپو کو انگریزوں سے متصادم کر دیا تھا اور یہ وہی جذبہ تھا جس کی تسکین کی خاطر اللہ والے سروں سے کفن باندھے بنگال، بہار، اڑیسہ، یوپی، مدراس اور دکن سے کبھی پیدل، کبھی سوار نکلتے تھے، جن کا زادِ راہ تقویٰ تھا، جن کا مقصود اعلائے کلمۃ الحق یا شہادت تھا۔ وہ مجاہدینِ اسلام برِعظیم پاک و ہند کے شمال مغربی کونے میں پہنچتے تھے۔ کبھی سندھ کی طرف سے کبھی کشمیر کے راستے سے، تاکہ پنجاب و سرحد کے علاقوں کو غیروں کے پنجۂ استبداد سے چھڑا کر اس نواح میں مضبوط اسلامی مرکز باقاعدہ قائم کریں اور پھر باقی برِعظیم کی بازیابی کا پروگرام بنائیں۔ روح ایک تھی، بدن جدا جدا تھے۔ زبانیں جدا جدا تھیں، نسلیں اور علاقے جدا جدا تھے۔ ہر معنوں میں ناکام نہیں رہے، روحانی اعتبار سے ان کا جہاد جاری رہا۔ مسلمانوں نے آزادی کے تصور کو کبھی پسِ پشت نہ ڈالا۔

داستانِ مجاہدین لکھنے اور بیان کرنے والے جانتے ہیں کہ پاکستان انہی مجاہدین کے ارادوں کی تکمیل کا مظہر ہے، وہ تلوار سے لڑے تھے، جنوبی اور مشرقی ہونے کے باوصف شمالی اور مغربی بھائیوں کی خاطر قربان ہو گئے تھے۔ ان کے اخلاف نے بھی شمالی، مغربی اور مشرقی اقطاع کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دیا، جنگ کا انداز بدل گیا تھا، روح وہی تھی۔ بزرگ تلوار سے لڑے، عزیزوں نے آئینی جنگ لڑی، مگر باضابطہ مرنے مارنے کے جذبے کو آئینی جنگ کے پسِ پشت رکھ کر۔ یہ جذبہ بے اختیار اسلامی حمیت کا جذبہ تھا۔ آزادی و استقلال کا جذبہ تھا، مجاہدین کے جہاد کو کسی نے غیروں کے خوف کا نتیجہ نہ کہا، اسے دیوانگی و جنون تو کہا جا سکتا تھا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دیوانے لوگ تھے۔ وہ سر کٹا سکتے تھے، سر جھکا نہ سکتے تھے۔ اسی جذبے نے ہمیں ہمارے زمانے میں سرشار کیا، بیدار کیا اور ہم

سرگرم پیکار ہو گئے۔ مگر بعض حقیقت فراموش "اہلِ اخلاص" نے کہا اے مسلمانو! تم ہندو کے ڈر سے پاکستان مانگ رہے ہو۔ پاکستان کا مطالبہ بزدلی کی نشانی ہے اور مسلمان بزدل نہیں ہے۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ آج بھی اس طرح کی آواز کبھی کبھی سننے میں آجاتی ہے کہ پاکستان کی تخلیق ہندو کے خوف کی وجہ سے عمل میں آئی تھی۔ یہ عجیب و غریب الٹی منطق ہے۔ بھائیو اگر ہم بزدل ہوتے تو اپنے طاقت ور رفقاء کی مرضی کے خلاف کیونکر آواز اٹھاتے؟ مجاہدین نے آزادی کے لئے عَلَم اٹھایا تو وہ بزدل نہ قرار دیئے گئے اور ہم نے آزادی کے لئے عَلَم اٹھایا تو بزدلی کا طعنہ دیا جانے لگا۔ یہ طعنہ دینے والے بزرگ کس غفلت' یا مروت' یا ضد کا شکار ہو گئے؟ کسی قوت کے خلاف آواز بلند کرنا بزدلی ہے یا اس قوت کے خوف سے اس کی منشاء کے خلاف لب نہ کھول سکنا بزدلی ہے؟ اگر ہم ہندو کی عددی کثرت اور مالی وسائل کی وسعت کو دیکھ کر دبک جاتے اور اس کی مرضی کے خلاف لب کھولنے کی جرأت نہ کرتے تو یہ بزدلی ہوتی مگر ہم نے تو طاقت ور اکثریت کی مرضی ٹھکرا دی۔۔۔۔ ہم نے یہ اقدام جس خوف کے باعث کیا تھا وہ ہندو کا خوف نہ تھا وہ غلامی کا خوف تھا' وہ آزادی سے محرومی کا خوف تھا' وہ غیرت و حمیت کی موت کا خوف تھا' وہ اپنی قومی انفرادیت کے فنا کا خوف تھا۔ یہ بات اتنی باریک نہیں کہ سمجھ میں نہ آسکے' ہاں نیت کا پیچ نظر کی ڈوری کو الجھا دے تو جدا معاملہ ہے۔

اس کے باوصف آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمانوں نے برِعظیم پاک و ہند کے معاملات میں کسی مرحلے پر اکثریت کو لائقِ اعتماد نہیں جانا' ہم نے اعتماد بھی کیا' اس انداز میں کہ آزادی ملے تو دونوں قوموں کو ملے' دونوں آزادی کے نتائج سے برابر نفع اندوز ہوں' دونوں جملہ کاروبارِ آزادی میں ایک دوسرے کے شریک و سہیم ہوں' مگر اکثریت نے دل شکنی کی۔ بار بار دل شکنی کی۔ اکثریت کو ہمارا وجود ہی گوارا نہ تھا۔ وہ گروہ یہ چاہتا تھا کہ انگریز کے نکلنے تک مسلمانوں کو بھی نڈھال کر دیا جائے اور برابر کا ساتھی اور رفیق بنانے کی جگہ خادم و غلام کے درجے پر پہنچا دیا جائے۔ مسلمانوں نے اس بات کو بھانپ لیا' احتجاج کیا' جواباً مہاتمائی کلمات ملے جو "اگرچہ" تاہم "بہرحال" "چنانچہ" "چونکہ" "البتہ" میں ملفوف تھے۔ جب احتجاج کا لہجہ سخت ہوا تو الزام لگا تم تنگ دل ہو' فرقہ پرست ہو' جو قوم ہمراہی قوم سے اپنے جائز حقوق کا تعین چاہے وہ فرقہ پرست اور جو قوم اپنے ہمراہی مخلص رفقاء کا خون پیتی چلی جائے اور ان کی تباہی کے درپے رہے وہ "عالی ظرف"۔ ہم ساتھیوں کی نیت دیکھ کر چونکے۔ حضرت قائداعظم یا دیگر زعما نے علیحدگی کا نعرہ آناً" فاناً" نہیں بلکہ باقی ہر طریقِ عمل کی کامرانی سے مایوس ہو کر بلند کیا تھا۔ ہم ہندو اور انگریز کی مرضی کے خلاف کامگار ہوئے تھے اور ان علاقوں کے مسلمانوں نے جو پاکستان کا حصہ نہ بن سکتے تھے سوچ سمجھ کر پاکستان کے قیام کی جدوجہد کی تھی۔ انہوں نے سید احمد شہید کے متبعین کی طرح مسلم اکثریت کے علاقوں کی خاطر قربانی دی تھی۔ نہ انہوں نے دھوکا کھایا تھا اور نہ اکثریت کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں نے انہیں دھوکا دیا تھا۔

یہاں پھر یہ بات دہراؤں گا کہ یہ کام محض سیاستدانوں کا نہ تھا' پوری قوم کا تھا' سیاست دان اور غیر سیاست دان بے معنی تفریق ہے۔ امتیاز فقط قائدین کو حاصل ہے۔ ورنہ سیاست دان تو قوم کا ہر فرد تھا اور آج بھی ہے۔ نہیں تو ہونا چاہئے۔ آپ کو یاد ہے کہ اس طوفانِ تمنا میں جہاں وکلاء شریک تھے وہاں سول افسر' پولیس افسر' تاجر اور اساتذہ بھی شامل تھے' فوجی سپاہی بھی مضطرب تھے اور پولیس کے سپاہی بھی' کلرک

بھی سرگرم تھے اور طلبہ بھی۔ قائدین نے متنبہ کیا' قوم متنبہ ہو گئی' اور منزل پر پہنچ گئی مگر جہاد ختم نہیں ہوا۔ ابھی کمر کھولنے کا وقت نہیں آیا' بلکہ زندہ قوموں کے لئے ایسا وقت کبھی آیا ہی نہیں۔

اگر اس وقت آزادی و استقلال کی تمنا نے پوری قوم کو ہوشیار و مستعد کر دیا تھا تو آج قوم کیوں ست پڑ رہی ہے؟ آج کیوں قوم بقائے پاکستان کی ذمہ داری محض لیڈروں کے سر تھوپ کر سو رہی ہے؟ جن مخالف قوتوں نے پاکستان کے وجود میں آنے کی مخالفت کی تھی وہ تو بدستور برسرِ عداوت ہیں بلکہ مقابلے اور رقابت کی تلخی پہلے سے بھی زیادہ ہے۔ پھر آج قوم کا فرد فرد کیوں حالات کی نزاکت کے مطابق چوکس نہیں؟ پہلے مقابلہ فقط برِ عظیم کی حدود کے اندر تھا اب مقابلہ بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ لہٰذا آج پہلے سے بھی زیادہ بیداری اور اتحاد کی ضرورت ہے قائدین کا فرض ہے کہ قوم کو غافل نہ ہونے دیں اور قوم کا فرض ہے کہ اپنے قائدین کو جھنجھوڑتی رہے۔

اسلام اور کفر دو الگ ملتیں ہیں۔ ان میں سمجھوتہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ظلمت نور کے درپے رہے گی' باطل حق کے گریباں گیر رہے گا۔ اس لئے ہمیں ہندوؤں سے کوئی شکایت نہیں وہ اگر آسام' بھوپال' جبل پور' میرٹھ' بمبئی' کلکتہ وغیرہ میں مسلمانوں کو پامال کریں تو وہ فطرت سے مجبور ہیں' اگر واہگہ کی راہ سے پاکستان پر چڑھ دوڑیں اور یہاں پہنچ کر مسلم معاشرے کو کچل دینے کا تہیہ کریں تو جب بھی وہ مجبور ہیں۔ ان کے ڈنک کو کند کرنے یا توڑ دینے کا بندوبست ہمارا کام ہے۔ ہم بھی اسی صورت میں چین سے جی سکیں گے اور بھارت میں بسنے والے مسلمان بھی!

پاکستان بننے کے ساتھ ہی ہندوؤں نے اس کو تباہ کرنے کے منصوبے بھی بنانے شروع کر دیئے تھے۔ مگر شاید وہ نہ جانتے تھے کہ حضرت قائداعظم کے بقول "پاکستان مرضی مولا" ہے' وہ بن کر رہا اور تن کر رہ رہا ہے' وہ مٹنے کے لئے وجود میں نہیں آیا۔۔ آپ کو یاد ہے کہ 65ء کی جنگ کے فوراً" بعد جسٹس مہرچند مہاجن کا بیان ہندوستانی اخبارات میں چھپا تھا جس میں مذکور تھا کہ پاکستان بنتے ہی ہم نے ایک اہم اجتماع منعقد کیا' جس میں سردار پٹیل' مہاراجہ پٹیالہ' مہرچند خود' بخشی غلام محمد (یادش بخیر) جنرل تھمایا وغیرہ شامل ہوئے تھے اور طے پایا تھا کہ اس نوزائیدہ مملکت کو کاری ضرب لگا دی جائے' مگر حکومت نے ساتھ نہ دیا آج وہ فتنہ یوں آنکھیں دکھا رہا ہے"۔۔۔۔ ان امر کی تصدیق اپنی کتاب میں جنرل کول نے بھی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ تجویز پنڈت نہرو کی خدمت میں پیش کی تو وہ بولے پاکستان وہ ڈھانچہ ہے جو خود ہی گرنے کو ہے اسے ہم گرا کے دنیا کی نگاہوں میں کیوں برے بنیں۔"

پاکستان کو ڈھا دینے یا اس کے خود بخود ڈھے جانے کی تمنا ہندو کا ایک خوش آئند خواب تھا اور ہے۔ اگرچہ انگریز نے ہندو کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے ہمیں کمزور سے کمزور تر پاکستان مہیا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے باوصف یہ ڈھانچہ روز بروز مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ بھارت نے بارہا ٹھوکر لگائی اور ہمیشہ منہ کی کھائی۔ 1965ء میں جو کچھ ہوا وہ ساری دنیا کے سامنے ہے مگر ایک غلط نتیجہ یہ نکلا کہ ہم اس جنگ کے بعد غافل سے ہو گئے' خود اعتمادی نے دشمن کو ہماری نظروں میں حقیر بنا دیا۔ یہ رویہ بڑا خطرناک ہے اس لئے کہ دشمن برسرِ انتقام ہے۔ وہ دیکھ چکا ہے کہ پاکستان نہ خود بخود ختم ہوا اور نہ اس کے ضرب لگانے پر اسے کوئی نقصان پہنچا۔ لہٰذا اب وہ آخری بھرپور وار کرنے کا خواہاں ہے۔ وہ زخمی سانپ کی طرح بل کھا رہا ہے۔ اس نے بین الاقوامی سطح پر ہمارے خلاف محاذ در محاذ کھول رکھے

ہیں' شب و روز سازش اور پروپیگنڈا جاری ہے تاکہ وہ ہمارے دوستوں کو ہم سے بدگماں کرے اور بدخواہوں کو مزید بدخواہ بنائے۔ وہ ہر لحظہ طاقت بڑھانے میں مصروف ہے۔ وہ اقتصادی طاقت ہو خواہ عسکری' امریکہ اور روس کھلے بندوں اس کی مدد کر رہے ہیں۔ اندریں حالات ہم کیا فیصلہ کریں؟ کیا ہم ہندوستان کی لیڈر شپ قبول کر لیں؟ یا کیا ہم کشمیر کو ہضم ہو جانے دیں؟ یا کیا ہم اپنے وجود کو ختم کر لیں؟ ہرگز نہیں۔

یہ بات تو صاف ہے کہ ہندو نے برعظیم کی تقسیم کو گئو ماتا کی تقسیم قرار دیا تھا۔ وہ پاکستان کے وجود میں آنے اور اس کے باقی رہنے کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا تاوقتیکہ پاکستان اتنا مضبوط نہ ہو جائے کہ وہ اس چٹان سے ٹکرا ٹکرا کے آخر مایوس ہو کر بیٹھ جائے۔ یہ قوت پاکستان کے اندر اتحاد عمل اور اتحاد خیال کے بغیر بیدار نہ ہو گی' ہر میدان میں ترقی کا قدم آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ لازم ہے کہ قوم کا بچہ بچہ سپاہی بھی ہو اور اسلامی حمیّت کے جذبے سے سرشار بھی۔ اسی جذبے نے پاکستان کو جنم دیا تھا' وہی جذبہ اس کی مدافعت بھی کرے گا۔ کوئی بھی متبادل قدر اسلامی حمیت کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ موٹی سی بات ہے کہ ہم نے آزادیٔ اسلام کی خاطر اور اسلام کے نام سے حاصل کی تھی۔ یہ کہنا کہ یہ فقط اقتصادی ضرورت تھی' بے بنیاد خیال ہے۔ ویسے میں اتنا پوچھتا ہوں کہ یہ اقتصادی ضرورت کس گروہ کی تھی جس نے مجبور کیا کہ الگ گھر بناؤ؟ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے گروہ کی۔ تو یہ گروہ کیوں توجہ طلب تھا؟ اس لئے توجہ طلب تھا کہ یہ اسلام کا نام لیوا تھا۔ گویا نہاد و بنیادِ مخاصمت تو پھر بھی اسلام ہی رہا۔ بہرحال اسلامی حمیت کی تقویت اور پرورش لازم ہے۔ ایسے جملہ عناصر اور جملہ اعمال کی سرکوبی ناگزیر ہے جو ملّتِ پاکستان کے دل میں اس حمیّت کو کمزور کر دینے کا باعث بنیں' حضرت قائداعظمؒ نے اگر قوم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ پاکستان اسلام کا گھر اور وطن ہو گا جہاں شریعتِ محمدی ﷺ کارفرما ہو گی تو وہ وعدہ سرتاسر مبنی براخلاص تھا۔ خدا کی نصرت اسی خلوصِ پیمان کے باعث تھی۔ اگر ہم خدا کو بھلا دیں گے اور عہد شکنی کریں گے تو مکافاتِ عمل کی اجتماعی سزا کا سدِباب مشکل ہو گا۔

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝

(۲/۱۵۲)

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں =/180 روپے فی جلد علاوہ محصول ڈاک' دستیاب ہیں۔

72ء- 73ء- 75ء- 76ء- 77ء- 78ء- 83ء- 84ء- 85ء- 86ء- 87ء- 88ء

91ء- 94ء- 95ء- 96ء- 97ء- 98ء-

(ناظم ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدالغفور محسن

الصلوٰۃ ----- نظام ربوبیت

جریدہ "اہل حدیث" کے 27 نومبر 98ء کے شمارے میں ایک مضمون بعنوان "پرویز کی قرآنی نماز کا تصور" شائع ہوا ہے۔ جس کے مصنف محترم عبدالرحمٰن کیانی تھے جو اب مرحوم ہو چکے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد اس مضمون کا اشاعت پذیر ہونا مدیر "اہل حدیث" صاحب کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے کیونکہ اب اگر کسی وضاحت کی ضرورت ہو تو مرحوم اس کے لئے واپس اس دنیائے فانی میں نہیں آسکتے۔

قطع نظر اس سے کہ اہل حدیث کا طریق نماز جمہور مسلمان کے لئے ناقابل تسلیم ہے یہ حضرات حدیث کو قرآن پر قاضی قرار دیتے ہیں۔ جو قرآن کے مکمل ہونے سے صریحاً" انکار ہے۔ یہ قرآن حکیم اور رسول اکرم ﷺ کی توہین کے مترادف ہے جبکہ رسول اکرم ﷺ سے واضح طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ "اگر تم نے ہمارا پیغام پوری طرح نہ پہنچایا تو مستوجب سزا ہو گے"۔ اس مضمون کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ پرویز صاحبؒ نماز کے متعلق تو وضاحت نہیں کرتے محض تواتر کا سہارا لیتے ہیں، لیکن نظام ربوبیت کی رٹ لگائے چلے جاتے ہیں جو قرآن میں نہیں ہے"۔

کاش مدیر "اہل حدیث" اس مضمون کی اشاعت سے پہلے اپنے "موقر جریدہ" کے 14 نومبر 97ء کے شمارہ میں شائع شدہ مضمون بعنوان اقامت الصلوٰۃ کا مطالعہ کر لیتے۔ اس مضمون کے عنوان کے ساتھ کسی صاحب کا نام نہیں تھا۔ ایسے مضامین کو جن پر مصنف کا نام نہ ہو عموماً" مدیر کی تصنیف سمجھا جاتا ہے اگر ہمارا یہ خیال صحیح ہے اور یہ ان کا اپنا ہی مضمون تھا تو پھر کیانی صاحب مرحوم کے مضمون کی اشاعت محل نظر ہے۔ مذکورہ مضمون میں کیا لکھا گیا اب شاید ان کے ذہن میں مُسْتَحْضَرْ نہ ہو اس لئے ہم اس کے چیدہ چیدہ نکات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

1- الصّلوٰۃ دین اسلام کا بنیادی گوشہ ہے۔ قرآن جس قسم کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اسے وہ اقامت الصّلوٰۃ کی جامع اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔

2- ..... عربی کی مستند کتبِ لغت کی روشنی میں مفسرین نے اقامت الصّلوٰۃ کی قرآنی اصطلاح کا مفہوم قوانینِ الٰہیہ کے پیچھے پیچھے چلنا متعین کیا ہے۔

3- ..... الصلوٰۃ کا قیام جماعت مومنین کے تَمَکُّنٌ فِی الْاَرْض کے بغیر ممکن نہیں۔

4- ..... الصلوٰۃ وہ نظام مملکت ہے جس میں تمام امور مملکت جماعت مومنین کے مشورہ سے طے پاتے ہیں۔

5- ..... اے شعیبؑ تمہاری الصّلوٰۃ کس قسم کی ہے جو یہ کہتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آبا و اجداد کرتے چلے آرہے ہیں اور یہ کہ ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی مرضی سے صرف

نہ کریں۔

6- ..... اقامت الصلوٰۃ اپنی زندگی کے تمام معاملات کو وحی خداوندی کے تابع رکھنے کا نام ہے۔

7- یہ وہ نمازیں ہیں جو معاشرے کے لئے تباہی کا موجب بن جاتی ہیں..... یہ نمازیں تو پڑھتے ہیں لیکن رواں دواں چشموں کی طرح بہنے والے رزق (جو نوع انسانی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے دیا گیا ہے) کے سامنے بند لگا کر اپنے لئے روک لیتے ہیں۔ یہی وہ نمازی ہیں جو تکذیب دین کے اصل مجرم ہیں۔

8- ..... مومنین جانتے ہیں کہ ان کے مال و دولت میں ان لوگوں کا حق (حق معلوم) ہے جن کی ضروریات ان کی محنت کے ماحصل سے پوری نہیں ہوتیں یہی وہ لوگ ہیں جو یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں۔

9- ..... نمازیوں کو گریبان میں جھانکنا ہو گا کہ کتنے ہیں جو ظاہری نماز ادا کر رہے ہیں لیکن ان کی نمازوں کا نتیجہ نہیں نکل رہا۔ معاشرہ جہنم کی طرف جا رہا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

10- جس صلوٰۃ میں معاشی اور معاشرتی نظام کو الگ کر دیا جاتا ہے اس نماز کا خدا کے ہاں کوئی مقام نہیں۔

11- جو نماز معاشرے میں ہمواریاں اور خوشگواریاں پیدا نہیں کرتی اور منکرات و فواحش معاشرے میں پھر بھی قائم رہتے ہیں ایسی صلوٰۃ کا اسلام میں کوئی جواز نہیں۔

یہ معدودے چند اشارات ہیں جو مذکورہ مضمون میں شامل تھے اور گویا موتی تھے جو انمول تھے۔ اس کے بعد کیانی صاحب والے مضمون کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ اور پرویز صاحبؒ پر یہ اعتراض کہاں رہ جاتا ہے کہ وہ نظام ربوبیت کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں جو کہ قرآن میں نہیں ہے۔

جہاں تک پرستش کا تعلق ہے جسے ہم نماز کا نام دیتے ہیں اور جس میں قیام، رکوع و سجود ہوتے ہیں، جن کے درمیان مخصوص الفاظ دہرائے جاتے ہیں، جن کو پڑھنے والا طوطے کی طرح پڑھتا چلا جاتا ہے جبکہ وہ اس کے معنی و مفہوم سے واسطہ نہیں رکھتا تو یہ کچھ تو ہر مذہب میں ہوتا ہے۔ ان کا طریق الگ ہوتا ہے۔ انداز مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن خشوع و خضوع ایک ہی سا ہوتا ہے۔ قرآن ان کی پرستش کو وزن دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "ان کے معابد کو تباہ نہ کرنا کہ ان میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے"۔ ہمارے ہاں بھی مختلف فرقوں کی نمازوں میں اختلاف ہے لیکن وہ سب مطمئن ہیں کہ ہم صحیح راہ پر ہیں۔ پرویز صاحب حنفیوں کے ہاں پیدا ہوئے اسی طریق سے نماز ادا کرتے تھے۔ کیانی صاحب مرحوم اہل حدیث کے ہاں پیدا ہوئے یا بعد ازاں اہل حدیث میں شامل ہو گئے اور اسی طریقہ پر چلنے لگے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ پرستش (نماز) کس طرح کرتے ہیں۔ فرق پڑتا ہے قرآن کے مطابق معاشرہ تشکیل دینے سے۔ یہیں سے مسلم اور غیر مسلم دو الگ الگ اقوام وجود میں آتی ہیں۔

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

کسی معاشرہ کو قائم (Establish) کرنے کے لئے اولین شرط یہ ہوتی ہے کہ اس معاشرے کا معاشی نظام کن بنیادوں پر استوار ہوتا ہے قرآن نے اس کی بنیاد ربوبیت عامہ پر رکھی ہے۔ وہ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ** سے بات شروع کرتا ہے اور **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ** پر اپنا پیغام مکمل کرتا ہے۔ حمد صرف اس اللہ کے لئے ہے جو پرورش کرنے والا ہے اور ہم اس کی پناہ میں ہیں جو نوع انسانی کی ربوبیت کرتا ہے۔ قرآن کا نظام صلوٰۃ اسی حوالے سے ربوبیت عامہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور یوں نظام ربوبیت کی بنیاد بنتا ہے جس میں تمام معاشرتی اخلاقیات شامل ہیں۔ جو

بھوکے پیٹ پروان نہیں چڑھتیں۔

ابھی کل کی بات ہے کہ سوڈان میں قحط رونما ہوا۔ دنیا بھر کے درد دل رکھنے والے چیخ اٹھے کہ اتنے ہزار انسان بھوکے مر گئے۔ امریکہ اور یورپ سے کچھ لوگ ان کی امداد کو پہنچے۔ نہ ہوا کچھ تو مسلم ممالک سے نہ ہوا۔ سوڈان کا نزدیکی ہمسایوں کی طرف سے کوئی قابل ذکر امداد نہ پہنچی۔ باقی مسلم ممالک محض زبانی افسوس کرتے رہے اور بس۔ اگر ایسے میں سوڈان کے مسلمان عیسائیت کی طرف مائل ہو جائیں تو اس کا ذمہ دار کون ہے۔ یہ بڑا احسن کام ہے کہ مسجد نبوی پر اربوں ڈالر خرچ کر کے اس کی تزئین و آرائش کی گئی لیکن کیا یہ المیہ نہیں کہ سوڈان میں ہزاروں لوگ بھوکے مر گئے اور خادمین حرمین شریفین تماشا دیکھتے رہے۔ اقبال نے شاید اسی احساس کے تحت کہا تھا کہ ؎

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

ہمارے نکبت و ادبار کی اولین وجہ یہی ہے کہ ہم نے نمازوں پر تو زور دیا لیکن ربوبیت کی طرف توجہ نہ دی۔ قرآن نے ان مصلین کی تباہی کیلئے تنذیر فرمائی ہے جو نہ تو خود مساکین کی طرف توجہ دیتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس کی تلقین کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اور ان کے بعد خلفائے راشدین نے اس نظام کو قائم کیا اور جب تک یہ نظام قائم رہا یا کم از کم اس کا Momentum باقی رہا ان کی مملکت میں رہنے والے اس دنیا میں جنت میں رہ رہے تھے لیکن اس کے بعد کیا ہوا۔

صورت ببیں حالم مپرس

اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ پرویز صاحبؒ نظام ربوبیت کی رٹ کیوں لگاتے رہتے تھے قرآن اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ
۲۵ سالہ تجربہ کار
کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔
۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۳۷۵۳۷
فیکس نمبر:- ۲۴۱۹۷۸۲
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

وہ کتاب جس کا پہلا ایڈیشن مدّت سے نایاب تھا

مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں

یعنی

تورات — انجیل — وید — رامائن — مہابھارت — بدھ مت

جین مت — مجوسیت — طاؤازم اور شنٹوازم

کس طرح مرتّب ہوئیں، کن کن مراحل سے گزریں اور آج اُن کی کیا حالت ہے۔ آخر میں بتایا گیا ہے کہ

قرآنِ کریم

کس طرح مرتّب ہوا، اور کیسے محفوظ چلا آرہا ہے!

مذاہبِ عالم کے تقابلی مطالعہ کے لیے بیش بہا معلومات کا ذخیرہ ہے اور مفکرِ قرآن کے وسعتِ مطالعہ کا آئینہ

☆ قیمت: اعلیٰ ایڈیشن =/Rs. 120 قیمت: سٹوڈنٹ ایڈیشن =/Rs. 60 ☆

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید انعام الحق

ادارہ طلوعِ اسلام ----- اقبال اور قرآن

پچھلے دنوں ملک کی تقریباً" تمام اسلامی انقلابی جماعتوں نے اپنے اپنے سالانہ اجتماع منعقد کئے ہیں۔ موسم اور حالات کی مناسبت سے ادارہ طلوع اسلام نے بھی 31 اکتوبر تا 2 نومبر 98ء کو اپنا سالانہ کنونشن منعقد کیا' جبکہ یکم نومبر کو ایوان اقبال میں "اقبال اور قرآن" کے عنوان سے ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ اس دعوت عام میں مجھے بھی ادارہ طلوع اسلام کے ناظم چوہدری لطیف صاحب نے مدعو کیا تھا۔

اس سے پہلے کہ سیمینار پر تبصرہ کیا جائے' بہتر یہ ہے کہ ادارہ طلوع اسلام کا تعارف کرایا جائے' اس ادارہ کے بانی' مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویز ہیں' جنہوں نے اپنی تمام تصانیف اور افکار کی بنیاد وحی خالص یعنی قرآن مجید کو بنایا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ انسانوں کے انفرادی مسائل سے لے کر اقوام عالم کے مسائل کے حل تک کے لئے قرآن حکیم کافی ہے' اگرچہ جزئیات کے حوالے سے بعض لوگ اختلاف بھی رکھتے ہیں' لیکن بحیثیت مفکر قرآن وہ ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ انہیں قرآن فہمی میں علامہ اقبال سے کسب فیض کا شرف حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان میں قائداعظم کا پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ وہ فرد واحد تھے جو وقت لئے بغیر کسی بھی وقت قائداعظم سے مل سکتے تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے کانگرسی علماء کے مدمقابل علمی اور قلمی میدان میں موثر کردار ادا کیا۔ انہوں نے 1938ء سے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جو تادم مرگ چلتا رہا۔ پاکستان بننے کے بعد علامہ غلام احمد پرویز نے علامہ اقبال کی قرآن فہمی کے فیوض و برکات کو عام کرنے کے لئے ادارہ طلوع اسلام کی بنیاد رکھی۔ علامہ پرویز نے پچاس کتابیں تصنیف کیں اور ہر کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک چیلنج ہے اور دعوت غور و فکر دیتی ہے۔ ایوان اقبال جدید طرز تعمیر کا نادر نمونہ ہے' اس پرشکوہ عمارت کی گیلری میں ادارہ طلوع اسلام نے اپنے ادارے کی کتب کا اسٹال لگایا ہوا تھا' جو ان کے علمی معیار اور علم دوستی کا عکاس تھا۔ ہال کی تقریباً" ایک ہزار نشستیں پر تھیں اور ہال اہل فکر' روشن خیال' اسلام پسندوں سے بھرپور تھا' تابندہ پیشانیاں اور چمکتی آنکھیں اقبال کے شاہین ہونے کا احساس دلا رہی تھیں اور عاشقان اقبال کراچی اور پشاور جیسے دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔ کراچی یونیورسٹی کے چانسلر زیڈ۔اے نظامی صاحب' سابق نگران وزیراعظم معراج خالد' ممبر قومی اسمبلی طارق عزیز کے علاوہ ایاز حسین انصاری' فتح محمد ملک' جنرل غلام عمر' ڈاکٹر عبدالخالق' کرنل غلام جیلانی' ڈاکٹر محمد معروف' ڈاکٹر نعیم احمد' ڈاکٹر وحید عشرت اور ڈاکٹر آغا یمین جیسی علم پرور شخصیات نے فلسفہ اقبال کی لطافتوں سے سامعین کے دل و دماغ کو

منور کیا' جبکہ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب عاطف طفیل صاحب نے بڑی خوبصورتی سے نبھائے۔

اس سیمینار میں اگرچہ بہت بلند و بالا علمی شخصیات نے اپنے خیالات سے نوازا' لیکن ادارہ طلوع اسلام کے روایتی انداز "پیپر ریڈنگ" نے مقررین کی شخصیات کو مجروح کیا اور سامعین بوریت کا شکار ہوئے۔ طارق عزیز' معراج خالد اور دیگر چند مقررین نے فی البدیہہ فلسفہ اقبال پر روشنی ڈالی۔ باقی مقررین نے اپنے سبق پڑھ کر سنائے اس کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں کہ مقالہ نگار فی البدیہہ اپنا مدعا بیان کرنے پر قادر نہیں یا ادارے کو اپنے مقرر پر اعتبار نہیں کہ وہ اسٹیج پر آکر نہ جانے کس رنگ میں بات کریں۔ اتنی بڑی مادر علمی کے طالب علم تو بھرپور انداز سے قادر الکلام ہونے چاہئیں۔ اگر مقررین نے پیپر ریڈنگ ہی کرنا تھی تو کتابیں لوگوں کے گھروں میں بہت ہیں۔ وہ خود بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ صرف فلسفہ زندگی ہے اور نہ صرف جذبات زندگی ہیں' جب تک ایک مقرر کے پیش کردہ فلسفہ کے ساتھ اس کے اپنے جذبات نہیں ہوں گے۔ اس وقت تک سامعین مقرر کے اندر کے زندہ انسان کا عکس نہیں دیکھ پاتے' اور نہ ہی دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ادارہ ایک "سپیکر فورم" بنائے' جس کے تحت مقررین پیدا کئے جا سکیں اور کلام زندہ' تازہ ولولوں سے منتقل کیا جا سکے۔

سابقہ نگران وزیراعظم معراج خالد نے ملکی حالات پر بھرپور تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے بنتے ہی اس پر ایسے لوگ قابض ہو گئے' جو اس ملک کے حامی نہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ مہنگائی' بے روزگاری' دہشت گردی' جہالت اور کرپشن نے عام انسانوں کی زندگی اجیرن بنا دی اور خودکشیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس مہذب و متمدن دور میں بھی انسان طرح طرح کی غلامی کی زنجیروں میں گرفتار ہے۔ ابھی تک ہماری قوم آزاد نہ ہو سکی اور آج بھی ہم غلامی کے عذابوں میں مبتلا ہیں۔

طارق عزیز ممبر قومی اسمبلی نے بڑے شدومد کے ساتھ طلوع اسلام کے ساتھ اپنی وابستگی کا اعلان کیا اور کہا کہ طلوع اسلام کا جتنا لٹریچر اور علامہ پرویز کے جتنے کیسٹ میرے پاس موجود ہیں' شاید ادارہ طلوع اسلام کے ذمہ داران کے پاس بھی نہیں ہوں گے۔ انہوں نے علامہ پرویزؒ کی تائید میں اس موقف کی بھرپور ترجمانی کی' بلکہ بقول ان کے انہوں نے قومی اسمبلی میں بھی یہ کہا کہ جب قرآن نے الارض للّٰہ کہہ دیا ہے تو پھر زمین کسی کی بھی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی ہے' بلکہ وہ تمام نوع انسان کی مشترکہ ملکیت ہے۔ اسی فکر کو بہت پہلے علامہ اقبالؒ نے اپنے شعر میں بیان کیا کہ

وہ خدایا یہ زمیں میری نہیں' تیری نہیں
تیرے آباء کی نہیں' تیری نہیں' میری نہیں

اس شعر کی وضاحت کرتے ہوئے طارق عزیز نے بڑے جذباتی انداز میں کہا کہ یہ زمین کسی کے "ابے" کی نہیں' یعنی کسی کے باپ کی نہیں' جس پر قبضہ کیا جا چکا ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے منسوب کر کے زمین تمام انسانوں کے لئے وقف کر دی ہے۔ اس طرح تمام جاگیرداریاں خلاف اسلام اور روح فکر اقبال کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رزق رسانی کی ذمہ داری اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے کہ جب وسائل کا منبع یعنی زمین پر تمام انسانوں کے حقوق یکساں ہوں۔

جناب معراج خالد اور طارق عزیز نے اس بات پر بہت افسوس کا اظہار کیا کہ ہماری نوجوان نسل خصوصاً ہمارا مقتدر طبقہ فکر اقبال سے بالکل ناآشنا ہے' اس لئے کہ ہم سے ہماری قومی زبان ہی چھین لی گئی ہے۔ اردو کی جگہ انگریزی نے لے لی ہے اور یوں ہمیں "گنگ"

کر دیا گیا ہے۔ کسی بھی قوم کی روایات' تاریخ' شاعری اور تہذیب و تمدن اس کی اپنی زبان کے تابع ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اردو پڑھ نہیں سکے گا تو وہ فکر اقبال سے کس طرح مستفید ہو سکے گا جبکہ پاکستان کا تصور ہی اقبالؒ نے پیش کیا تھا اور ان کے افکار کا مرکز و محور قرآن خالص تھا۔ جب تک ہم فکر اقبال کو اپنے پیش نظر نہیں رکھیں گے مسکنت و زبوں حالی کی دلدل میں دھنستے ہی چلے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اسمبلیوں کی کارروائی اور عدالتی کارروائی بلکہ حکومتی شعبے بھی انگریزی زبان کے زیر اثر ہیں' جب تک ہماری زبان آزاد نہیں ہو جاتی' اس وقت تک ہم آزاد نہیں ہو سکتے ہیں۔

یہ پروقار تقریب شام 5 بجے تکمیل پذیر ہوئی اور عاشقان اقبال ایک نئی روشنی' ایک تازہ ولولہ اور ایک نئی امنگ کے ساتھ اپنے اپنے کاشانوں کی طرف پلٹ گئے۔

قارئین محترم

سلام ورحمت

فروری 1999ء کا شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے اس کے ساتھ ہی بہت سے قارئین کا زرشرکت برائے سال 1998ء ختم ہو گیا ہے۔ ایسے کرم فرماؤں سے درخواست ہے کہ وہ اس سال کے لئے زرشرکت جلد ارسال فرمادیں تاکہ پرچے کی ترسیل منقطع نہ ہو۔

زرشرکت حسب سابق

اندرون ملک 170 روپے

بیرون ملک 800 روپے

پرچہ بذریعہ وی پی ہدایات ملنے پر ہی ارسال کیا جائے گا۔ اگر کسی وجہ سے پرچہ جاری رکھنا مقصود نہ ہو تو بھی اطلاع ضرور فرمادیں تاکہ یاددہانی کی ضرورت نہ رہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قاسم سرحدی۔ (سوات)

کفر کے فتوے تاریخ کے تناظر میں

حصول پاکستان کی جدوجہد میں علماء حق کی شرکت محض اس بناء پر تھی کہ قائداعظمؒ کے اعلان کے مطابق مملکت پاکستان کا تمام کاروبار قرآنی اصول و احکام کے مطابق ہو گا۔ حضرت قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے تتبع میں طلوع اسلام کا مطمح نظر بھی قرآنی نظام کا قیام ہے اور وہ اپنے اس مطالبے کو پوری شدومد کے ساتھ دہراتا چلا آرہا ہے جس سے بعض طبقوں کے مفادات پر ظاہر ہے زد پڑتی ہے اور وہ سورہ الحج کی آیت 72 کے مصداق ایسے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتے ہیں کہ اللہ معافی۔ حد یہ کہ پاکستان میں ان کی دال نہیں گلتی تو وہ فتوے حاصل کرنے دوسرے اسلامی ملکوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق کچھ خود ساختہ مولویوں نے ایک اسلامی ملک سے اسی قسم کا فتویٰ حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس صورت حال کے حوالہ سے قاسم سرحدی صاحب سوات سے لکھتے ہیں کہ فتویٰ گری کونسی نئی بات ہے کہ اس کا نوٹس لیا جائے اور پھر کون ہے جو مولوی کے فتوے کی زد سے محفوظ رہا ہو۔ ہم سرحدی صاحب کا مضمون اس امید پر من و عن نقل کر رہے ہیں کہ شاید اللہ کا کوئی بندہ کافر گری کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کا سوچے۔ مدیر طلوع اسلام

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جب سے دنیا قائم ہے اور جب تک قائم رہے گی خیر و شر میں باہم آویزش رہے گی۔ تیرھویں اور چودھویں صدی تو خاص طور پر اس کشا کشی کا انتہائی عروج کا زمانہ رہا ہے۔ جس کے متعلق پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے

لا یبتعی من الاسلام الا اسمہ ولا یبتعی من القرآن الا رسمہ مساجد ھم عامرۃ وھی خداب من الھدی وعلماء ھم شرمن تحت عدیم السماء

(مشکواہ نمبر 38 کتاب العلم)

ترجمہ: اسلام کا صرف نام باقی رہ جائیگا اور قرآن سے فقط الفاظ' مسجدیں بظاہر آباد ہونگی مگر ہدایت سے خالی اور علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہونگے"۔

اگر ہم بنظر عمیق دیکھیں تو آج یہی صورت حال تمام عالم اسلام کی ہے۔ علماء حق کا کام اتحاد پیدا کرنا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے "**اعوذ باللّٰہ من العلم ما ینفع**" میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ پہنچائے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ خدا کے اس حکم کہ "سب کے سب مل کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو اور فرقے فرقے نہ بن جاؤ" پس پشت ڈال کر الگ الگ فرقے بنا کر اپنی اپنی مسجدوں میں جدا جدا طور طریقوں سے نمازیں پڑھا رہے ہیں۔

اب ملاحظہ کیجئے ان کفر باز لوگوں نے کن کن ہستیوں پر کفر اور الحاد کے فتوے لگائے ہیں۔

1- حضرت صدیق اکبرؓ۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو (نعوذ باللہ)

خارج از اسلام کہنے والے اب تک ہندوستان' ایران اور دیگر ممالک میں موجود ہیں۔

(ملاحظہ ہو تحذیر المومنین ص 5)

2- حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ مرتد کہنے والے آج بھی لاکھوں کی تعداد میں لوگ موجود ہیں۔

3- حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی کافر کہنے والے (نعوذ باللہ) مسقط اور بصرہ میں موجود ہیں۔

4- حضرت امام حسین علیہ السلام کے دست یزید پر بیعت نہ کرنے پر علماء سے آپ کے قتل کا فتویٰ طلب کیا گیا۔ اس وقت کے علماء سوء نے طمع نفسی سے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ اس فتوے کی رو سے امام عالی مقامؑ مع آل و عیال دشت کربلا میں بھوکے پیاسے شہید کئے گئے۔

(کتاب افضل الاعمال فی جواب نتائج الاعمال ص 220)۔

5- حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی بہت بے ادبی کی گئی۔ بعض نے جاہل' بعض نے بدعتی' بعض نے زندیق اور بعض نے کافر کہا۔ انکار کرنے پر عہدہ قضا سے آپ پر زبردست سختی کی گئی۔ آخر قید خانہ میں زہر دیدیا گیا اور ماہ رجب 150 ھ میں آپ نے وفات پائی۔

6- حضرت امام احمد بن حنبلؒ۔ آپ بہت متقی اور پرہیز گار امام تھے۔ آپ کو اٹھائیس مہینے قید میں رکھا گیا۔ وزنی زنجیریں آپ کے پاؤں میں ڈالی گئیں۔ مجلسوں میں بلا کر ذلیل کیئے گئے۔ آپ کے منہ پر طمانچے مارے گئے اور تھوکا گیا۔ کوڑے مارے گئے۔

7- ابو عبدالرحمٰن امام نسائی۔ آپ کو مار مار کر قتل کیا گیا۔

8- ابو عثمان مغربیؒ کو زد و کوب تشہیر کیساتھ کیا گیا' مکہ سے نکالے گئے۔

9- حضرت ابوبکر شبلی کو کافر کہا گیا۔

10- حضرت ابوبکر نابلسی کی مولویوں کے حکم سے کھال کھنچوائی گئی۔

11- ابن حنانؒ زندیق قرار دیئے گئے۔

12- عزالدین بن عبدالسلامؒ امام منذری کو کافر کہا گیا۔

13- شیخ محی الدین ابن عربی نہ صرف کافر قرار دیئے گئے بلکہ ان کی کفر میں شک کرنے والے بھی کافر قرار دیئے گئے۔ اسی طرح مولوی جلال الدین رومی' مولوی عبدالرحمٰن جامی' شیخ فرید الدین عطار کو نہ صرف کافر کہا گیا بلکہ ان کو کافر نہ کہنے والے بھی کافر قرار دیئے گئے۔

14- حسین بن منصورؒ کو اسلام سے خارج کر کے سولی پر چڑھایا گیا۔

15- شیخ ابو الحسن اشعری شافیؒ کو ملحد اور کافر کہا گیا حالانکہ وہ سینوں کے امام ہیں۔

16- حضرت امام غزالی کو کافر قرار دیا گیا۔ ان کی کتابوں کو جلانا اور ان پر لعنت کرنا ثواب سمجھا گیا۔ حکیم ترمذی' حضرت امام تیمیہ' امام حافظ بن قیم' امام ربانی مجدد الف ثانی' شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی' مرزا مظہر جان جانان دہلوی' سید احمد بریلوی' مولوی اسماعیل شہید' مولوی عبداللہ غزنوی' ابو عباس بن عکار' جناب علامہ عنایت اللہ المشرقی اور علامہ محمد اقبال تک ان تمام علماء فضلاء پر وقتاً" فوقتاً" کفر اور الحاد کے فتوے لگ چکے ہیں۔

مندرجہ ذیل فتاویٰ وہ ہیں جن کی رو سے ہر جماعت نے دوسری جماعت کو کافر' مرتد' ملحد' جہنمی' واجب القتل' زندیق اور نہ جانے کس کس نام سے بذریعہ فتویٰ پکارا ہے۔

اہل سنت کی طرف سے اہل تشیع پر کفر کا فتویٰ :-

فرقہ امامیہ منکر خلافت حضرت صدیق اکبر اندو در کتب فقہ سطوراست کہ ہرکہ انکار خلافت حضرت صدیق نمائد منکر اجماع

قطع گشت و کافر شد۔ بس در حق شان حکم کافر جاری است وارفضی واجب القتل است۔ (ترجمہ : اس میں شبہ نہیں کہ فرقہ امامیہ صدیق اکبر کی خلافت کے منکر ہیں اور کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جو حضرت صدیق اکبر کی خلافت کا انکار کرے وہ اجماع کا منکر اور کافر ہوتا ہے۔ اس سے کفار کی طرح ہی ملاقات کرنی چاہئے۔ رافضی واجب القتل ہیں۔ (ردتبرا ص 30 فتاویٰ عزیزی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی ص 191 و 192)

شیعہ کا فتویٰ اہل سنت پر :- (ترجمہ) سوائے فرقہ امامیہ شیعہ کے کوئی فرقہ جنتی نہیں ہے خواہ قتل ہو جائے خواہ اپنی موت مرے۔

(1)- غیر مقلدین یعنی وہابیوں پر اہل سنت کا فتویٰ :- فرقہ غیر مقلدین جن کی علامت ظاہری امین بالجہر اور رفع یدین اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ہے اہل سنت سے خارج اور مثل دیگر فرق رافضی خارجی وغیرہ ہما کے ہیں کیونکہ ان کے بہت سے عقائد اور مسائل اہل سنت کے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز درست نہیں ان کو اپنی خوشی سے مسجد آنے دینا شرعاً ممنوع ہے" اس فتوے کے نیچے قریباً" ستر علماء کی مہریں ثبت ہیں۔ (جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد ص 8)

(2)- پس تقلید کو حرام اور مقلدین کو مشرک کہنے والے شرعاً" کافر بلکہ مرتد ہیں (کتاب انتظام المساجد باخراج اہل الفتن عن المساجد)

(3)- (i) اسماعیل دہلوی نرا کافر تھا (ii) گنگوہی' دیوبندی' نانوتوی' انبیٹھی' تھانوی وغیرہ' وہابی کھلے مرتد ہیں۔

(4)- چاروں اماموں کے پیرو اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی اور چشتیہ اور قادریہ اور نقش بندیہ' مجددیہ سب لوگ کافر ہیں (جامع الشواہد ص 2)

تاریخ میں ایک فتویٰ دس نمبری کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں تین صد علماء کا فتویٰ وہابیہ دیوبندیہ کے خلاف درج ہے۔

(5)- سرسید احمد خان پر کفر کے بیشمار فتوے لگے۔ ان کی سوانح مصنفہ الطاف حسین حالی "حیات جاوید" میں مکہ معظمہ کے اربعہ مذاہب کے نقشوں کے فتاویٰ درج ہیں۔

(6)- مدرسہ علی گڑھ کے متعلق فتویٰ :- کہ یہ مدرسہ جس کو خدا برباد اور اس کے بانی کو ہلاک کرے اس کی اعانت جائز نہیں اگر یہ مدرسہ بن کر تیار ہو جائے تو اس کا منہدم کرنا اور اس کے مددگاروں سے سخت سے سخت انتقام لینا واجب ہے۔ (از حیات جاوید ص 288)۔

(7)- مولوی اسماعیل شہیدؒ پر فتویٰ :- **فلا شک ولا شبهة کفر و ردته و کفر معاونیه من شک فی کفر وردته کفر۔**

ترجمہ : پس اس کے کفر میں کوئی شک و شبہ نہیں اور نہ اس کے ارتداد میں اور اس کے مددگاروں کے کفر اور ارتداد میں بھی شک و شبہ نہیں ہے اور جو اس کے کفر و ارتداد میں شک کرے وہ کافر ہے۔ (از کتاب بھونچال بر لشکر دجال ص 102)۔

مولوی نذیر حسین دہلوی پر کفر کا فتویٰ :- مولوی صاحب ہندوستان (برصغیر) کے سب غیر مقلدین کے سرتاج تھے جنہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ بھی کیا ہے اور ہر جگہ پڑھا جاتا ہے ان کے متعلق لکھا ہے کہ "مجادل' مرتاب' متبع ہوائے نفس' حاسد' بددیانت' منحرف ہے۔ ان کے خلاف فتوے پر 82 علماء حرمین شریفین و علماء عجم کی مہریں ثبت ہیں۔ (کتاب تدارالحق ص 10' 109' 296)

مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث پر فتویٰ :- ان کے خلاف کفر کے فتوے پر پچیس علماء مقلدین اور

غیر مقلدین کے دستخط ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری پر اور ان کی تفسیر ثنائی پر کفر کا فتویٰ :- غزنویان امرتسری نے مولوی ثناء اللہ امرتسری پر ان کی مایہ ناز عربی تفسیر کی بنا پر تمام اہل حدیث مولویوں کے متفقہ فیصلہ اور دستخطوں سے ایک فتویٰ "کفر اربعین" کے نام سے شائع کیا جس میں صاف لکھا ہے۔

(ترجمہ)- ثناء اللہ نے اپنی تفسیر میں سوائے طریقہ محققین مفسرین کے اور راہ اختیار کی اور محرفین کی چال چلا۔ پس مقدور والے پر اس کا جلانا واجب ہے۔

ان فتویٰ جات کی تاریخ بہت پرانی اور فہرست بہت لمبی ہے۔ اسلام میں فرقہ بندی کفر ہے لہٰذا ہر کلمہ گو مسلمان سے مودبانہ درخواست ہے کہ اس قسم کی فتویٰ بازی اور فرقہ سازی سے توبہ کرے۔ کیونکہ ان فتوؤں نے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے۔ اس کی تلافی انتہائی مشکل ہے۔

داغ مفارقت

خبر ملی ہے کہ

بزم طلوع اسلام سوات (مینگورہ) کے نمائندہ جناب اقبال ادریس صاحب کے والد محترم 3 جنوری کو وفات پا گئے- مرحوم والی سوات کے معتمد خاص اور قرآن فہمی میں نمایاں مقام رکھتے تھے- ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے اس شیدائی کو اپنے جوار رحمت میں مقام بلند عطا فرمائے- ادارہ مرحوم کے رفقاء اور پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے-

حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے-

رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں فرمایا- میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں- جس سے اگر تم وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے- وہ چیز کتاب اللہ (قرآن حکیم) ہے-

(مسلم، نسائی، ابو داؤد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبصرہ : شہریار احمد خان

"کتاب التقدیر"

مسئلہ تقدیر روز اول سے ہی انسانی فکر کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ جوں جوں انسانی فکر ترقی کی منازل طے کرتی چلی گئی یہ مسئلہ حل ہونے کی بجائے مزید الجھتا چلا گیا۔ جس کے نتیجے میں ہر دور میں غور و فکر کرنے والے اذہان کی ایک بڑی تعداد مسئلہ تقدیر کی گتھیاں سلجھاتے سلجھاتے کفر و الحاد کی حدود میں داخل ہو گئی اور کچھ ناعاقبت اندیش افراد اندھے عقائد کی پیروی میں عمل کی قوت سے ہی بیگانہ ہو گئے اور ان کی زندگیاں بے بسی و مایوسی کا المناک مرقع بن کر رہ گئیں۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی قوم کے تصورات حیات اس قوم کی عظمت و سطوت اور تباہی و تنزل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ خصوصاً" خدا کے وجود اور عمل کی قوت پر یقین اور عدم یقین انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کے ہر ہر پہلو پر اثر انداز ہوتا ہے۔ تاریخ عالم کے مطالعے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کسی بھی قوم کو عروج و اوج اس کے اجتماعی اعمال صالح اور اخلاق حمیدہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور جب کوئی قوم اندھی روایات و توہمات کا شکار ہو کر عمل و حرکت سے بیگانہ ہو جاتی ہے تو قعر مذلت کے گڑھوں میں گرنا اس کا مقدر ٹھہر جاتا ہے۔ یہ حقیقت مسلم تاریخ کے مطالعے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جب تک یقین و عمل کی قوت ہمارے رگ و پے میں خون کی طرح گردش کرتی رہی' ہماری جبینوں پر مشقت کا پسینہ چمکتا رہا' ہمارے گھوڑوں کی زینیں کسی رہیں اور ان کے ٹاپوں کی آواز دنیا کے کانوں میں گونجتی رہی' عظمت و سطوت ہمارا مقدر بنی رہی اور جونہی ہم نے عمل و حرکت کے اٹل قانون فطرت سے منہ موڑ کر خود کو لایعنی روایات کے بندھن میں جکڑ لیا تو پھر وہ عظمت و شان و شوکت ہم سے روٹھ گئی جو برسوں ہمارا مقدر بنی رہی۔

زیر تبصرہ تصنیف "کتاب التقدیر" میں علامہ غلام احمد پرویز نے تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں "عقیدہ جبر" کے چشمے درحقیقت غیر مسلموں کی روایات سے پھوٹے اور دیکھتے ہی دیکھتے امت کی ایک بڑی تعداد ان جعلی روایات کی مقلد بن کر رہ گئی۔ انہوں نے عمل سے منہ موڑ لیا اور تباہی کو اپنا مقدر سمجھ لیا۔ اغیار کی سازشوں کی بدولت یہ عقیدہ ہمارا جز وایمان بن گیا۔

"کتاب التقدیر" میں فاضل مصنف نے دلائل و براہین کی قوت سے کام لیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کو صاحب اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے۔ اگر عقیدہ جبر کو مان لیا جائے تو جزا و سزا کے نظریے کی ساری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے کیونکہ ہر مجرم اپنے جرم کا ذمہ دار اپنی تقدیر گویا دوسرے لفظوں میں خدا کو ذمہ دار ٹھہرا کر بڑی آسانی سے اپنے جرائم سے

"بری" ہو جائے گا۔ یقیناً اسی فکر کا نتیجہ معاشرے کی مکمل تباہی کی صورت میں نمودار ہو گا۔

میری ناقص رائے میں مسلمانوں میں عقیدہ جبر کے فروغ کی وجہ ہمارے علماء کرام ہیں کیونکہ ان حضرات کی "اعلیٰ فکر" کی بدولت دین اسلام محض رسوم و رواج اور پوجا پاٹ کا ایک مجموعہ بن کر رہ گیا۔ ان علماء سو نے اپنی "علمیت" سے لفظ "ماشاء اللہ" اور "انشاء اللہ" کی ایسی ایسی تعبیریں کیں کہ عوام الناس نے خدائے رحمٰن و کریم کو ایک آمر مطلق خیال کرنا شروع کر دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات بھر کے تمام خزانوں کا تنہا مالک ہونے کے باوجود دنیاوی بادشاہوں کی طرح اپنے "موڈ" کا تابع نہیں کہ گالی دینے والے کو تو انعام و اکرام سے نواز دے اور اگر "موڈ" خراب ہو تو عمل صالح کرنے والے کو زنداں میں ڈالنے کا حکم صادر کر دے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیغام حق کی اس انداز میں غلط تشریح کرنے میں ان بے چارے مولویوں کا بھی کوئی قصور نہیں کہ عقل اور مولوی کا روز اول سے ہی بیر چلا آرہا ہے۔

زیر نظر کتاب میں اذن اللہ' انشاء اللہ' ماشاء اللہ' خدا کا قانون' خدا کا ارادہ اور "دلوں پر مہر لگانا" جیسے الفاظ کی جس باریک بینی و جس استدلال سے مصنف نے تشریح کی ہے اس سے بلاشبہ تقدیر کے ضمن میں ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے شافی و کافی جواب مل جاتے ہیں۔ مصنف اپنی تحریر میں جابجا قوم کو یہ درس دیتے نظر آتے ہیں۔ ؎

غلط ہے شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

پرویز صاحب مسئلہ تقدیر پر بحث کرتے ہوئے ہمارے معاشرتی' معاشی و سیاسی مسائل کے حل کے لئے فرماتے ہیں کہ اگر ایک منصفانہ معاشی نظام قائم کر دیا جائے تو یقیناً تقدیر کے ضمن میں ذہن میں اٹھنے والے بے شمار سوالات کا جواب مل سکتا ہے کیونکہ ایک منصفانہ معاشی نظام یعنی نظام ربوبیت میں ہی کوئی حکمران بہانگ دہل اس بات کا اعلان کر سکتا ہے کہ "مجھے خلیفہ اس لئے بنایا گیا ہے کہ میں لوگوں کی جائز حاجات کو عرش تک جانے سے روکوں"۔

ختم نبوت فنڈ

-1	محترم خالد یعقوب صاحب گلبرگ (لاہور)	=/1,000روپے
-2	محترم ملک داد خاں صاحب (ھنگو)	=/1,000روپے
-3	محترم عبدالرشید صاحب (کوئٹہ)	=/2,000روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نامے جو مرے نام آتے ہیں

محترم لطیف چوہدری صاحب مدیر طلوع اسلام

ہدیہ سلام و رحمت۔ ستمبر 98ء کے شمارے میں لمعات بہت اچھے اور حسب حال تھے۔ جب تھانے' عدالت اور کچہری سے اعتماد اٹھ جائے تو کوئی کیا کرے؟۔ آپ نے بیشتر جگہوں میں "سنگاں رابستہ وسگاں را کشادہ" رکھنے کی نصیحت کی ہے۔ ڈاکو ڈاکہ ڈال کر قتل کر کے بھاگ رہے ہوں تو پیچھے سے گولی نہ چلائیں۔ ایجنسی کی طرف رجوع کریں۔ کس ایجنسی کی طرف' جو ڈاکہ پڑنے سے قبل اس ڈاکہ کی جزئیات و طریقہ واردات تک سے پیشگی آگاہ ہوتی ہے۔ عدالت سے رجوع کریں۔ کس عدالت سے جس سے..... توہین عدالت کا اندیشہ ہے۔ حکومت یہ نہیں کرتی تو یہ کریں۔ عدالت یہ نہیں کرتی تو یہ کریں۔ صدائے احتجاج بلند کریں۔ قانون اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ آپ کا کیا خیال ہے آپ کے موقر مجلّہ کے قارئین قانون ہاتھ میں لینے والے لوگ ہیں۔ دراصل اس طرح کے پند و انذار سے نے ہمارا استخصار کر دیا جاتا ہے۔ غریب کو ہر طرف سے مار پڑتی ہے' گاؤں' محلّہ' برادری والے ایک رخ پر رواں دواں ہوتے ہیں اور وابستگان فکر و نظر کو ان کے الٹے رخ چلنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ افتاں خیزاں وہ چلتے تو ہیں مگر آخر تابکے۔ قرآن یہ کہتا ہے۔ خدا یہ کہتا ہے.... معاف کیجئے مجھے تلخ نوائی میں کہ ؎

نالہ پابند نے نہیں ہے
فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

جہاں خدا کا قانون ہو وہاں تو اس پر عمل کیا جائے مگر آپ تو گویا سائبیریا کے برفستانوں کے باسیوں کو صحرائے اعظم میں رہنے بسنے کے طریقے سمجھا رہے ہیں۔ ایسے میں کیا کیا جائے جہاں ؎

وہی قاتل وہی مجرم وہی منصف ٹھہرے
اقرباء میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

راقم
محمد اسلام علوی

طلوع اسلام :- اس موضوع پر ہمیں ایک نہیں بے شمار خطوط موصول ہوئے۔ یہ درست ہے کہ قرآنی احکام کی بجا آوری قرآنی نظام میں بہتر طور پر برومند ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ قرآنی نظام کے قیام تک قرآنی احکام کی بجا آوری مؤخر کر دی جائے۔ قرآنی نظام کے عدم قیام کا شکوہ بجا لیکن بقول شاعر:

چھاؤں' خوشبو' پھول اور پھل تو قسمت ہی سے لگتے ہیں
لیکن تم اتنا تو بتاؤ تم نے پیڑ لگائے بھی

(مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

1 قومی ذرائع ابلاغ اور غیر مستند روایات

یہ امت خرافات میں کھو گئی
حقیقت روایات میں کھو گئی

27 نومبر 98ء کو پی ٹی وی (PTV) پر صبح کی نشریات میں اسلامی تعلیمات کے موضوع پر ایک محترمہ تقریر فرما رہی تھیں جس میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے چند ایک پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ یہ تقریر پاک و ہند کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی سنی جا رہی تھی۔ اس تقریر میں ایک خاص نقطہ جو میں نے نوٹ کیا وہ یہ ہے' انہوں نے کہا کہ "جب حضرت عائشہؓ کی شادی رسول اللہ ﷺ سے ہو رہی تھی' تو آپؓ کی عمر صرف چھ (6) سال کی تھی اور رخصتی کے وقت نو (9) برس کی تھی' جبکہ نبی اکرم ﷺ کی عمر باون (52) سال کی تھی"۔

اب اس قسم کی نشریات جب غیر مسلم سنتے ہونگے تو وہ کیا تاثر لیتے ہونگے اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق کیا سوچتے اور کیا رائے قائم کرتے ہونگے؟ اسی قسم کی غیر مصدقہ روایات اور من گھڑت باتیں ہماری مذہبی کتابوں سے اکٹھی کر کر کے ایک ہندو مصنف نے بدنام زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" لکھ ڈالی' جس پر تمام مسلمانان پاک و ہند سراپا احتجاج بن بیٹھے اور علماء نے مصنف پر واجب القتل کا فتویٰ صادر کر دیا۔ بعد میں ایک جذباتی مسلمان نے اسے قتل بھی کر دیا اور خود تختہ دار پر لٹک گیا۔

چند برس ہوئے سلمان رشدی نامی مرتد نے بھی روپیہ پیسہ کمانے کی غرض سے رنگیلا رسول سے ملتی جلتی ایک کتاب (Sattanic Verses) یعنی "شیطانی آیات" لکھ ڈالی۔ جس کی یورپ' امریکہ اور انڈیا وغیرہ میں بہت پذیرائی ہوئی اور مصنف نے جی بھر کر دولت اکٹھی کی۔ اس کتاب کی حقیقت جب امام خمینی صاحب پر واضح ہوئی تو انہوں نے مصنف پر واجب القتل کا فتویٰ جاری کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی انیس سال کی عمر میں ہوئی تھی اور یہ واقعہ تاریخی شہادت سے ثابت ہے:

صاحب مشکوٰۃ ولی الدین ابن عبداللہ محمد ابن عبداللہ خطیب اپنی کتاب "کمال فی اسماء الرجال" میں لکھتے ہیں:

(i) حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن تھیں اور حضرت عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ انہوں نے ایک سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس وقت 73ھ تھا۔ یعنی حضرت اسماءؓ کی عمر 73ھ میں ایک سو سال کی تھی۔

(ii) ہجرت کے وقت حضرت اسماء کی عمر 27 سال کی تھی۔ جبکہ حضرت عائشہؓ ان سے دس سال چھوٹی تھیں۔ لہٰذا ہجرت کے وقت حضرت عائشہؓ سترہ سال کی ہوئیں

اور چونکہ ان کی شادی 2ھ میں ہوئی۔ اس لئے بوقت رخصتی آپ کی (عائشہؓ) عمر انیس سال ہوئی نہ کہ 9 سال۔

از خان افضل آفریدی

نوٹ : طلوع اسلام میں اس ضمن میں بہت کچھ چھپ چکا ہے اور آس موقف کا حامل ہے کہ شادی کے وقت حضرت عائشہؓ سن بلوغت کو پہنچ چکی تھیں۔ تفصیلی مطالعہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے۔

1- حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح
طلوع اسلام' اکتوبر 1962ء

2- حضرت عائشہؓ کی عمر شادی کے وقت
طلوع اسلام' نومبر 1956ء

2- "لفظ مولانا کا اطلاق"

روزنامہ جنگ 7 نومبر 98ء میں ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب نے لفظ "مولانا" کے انسان پر اطلاق کے متعلق جو کچھ لکھا ہے' ایک مدت تک میرا بھی یہی عقیدہ رہا کہ جب **اَنْتَ مَوْلٰنَا** (2:286) اور **هُوَ مَوْلٰنَا** (9:51) یعنی کارساز اور والی' اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مخصوص ہے تو یہ اندازِ تخاطب انسان کے لئے مناسب نہیں۔ لیکن (جیسا کہ خود ڈاکٹر صاحب نے فرمایا) قرآن کریم تصریف آیات سے خود بخود ہر بات واضح کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے لفظ "موا لیکم" (59:15) اور (33:5) سے بھی صحیح استدلال کیا' لیکن ایک اہم مقام (66:4) کی طرف شاید ڈاکٹر صاحب کی نظر نہیں گئی جس میں "مولانا" یعنی "ہمارا مولا" تو نہیں البتہ "مولاہ" یعنی "اس کا مولا" اس طرح آیا ہے : **فان اللّٰہ ھو مولہ و جبریل و صالح المومنین** (66:4)- یعنی آنحضور کے مونس' ساتھی' ہمدرد نہ صرف اللہ اور جبریل ہیں بلکہ عام صالح مومنین بھی ہیں۔ پس اگر عام مومن' رسول کا مولا یعنی ساتھی اور ہمدرد ہو سکتا ہے تو مومنین بھی ایک دوسرے کے "مولا" کیوں نہیں ہو سکتے؟ یعنی کارسازی کے معنوں میں نہیں (جو مخصوص باللہ ہے) بلکہ دوست اور ہمدرد کے معنوں میں۔ پس میری دانست میں تو یہ لفظ ایسا "غلط العام" بھی نہیں۔ دراصل یہ الفاظ باہم محبت و تکریم بڑھانے کے لئے ہیں۔ الفاظ تو درست ہیں مگر مفہوم "غلط العام" ضرور ہو گیا ہوا ہے۔ نیز غور کیجئے آیت (16:76) جہاں "مولاہ" کا لفظ بار دگر آیا ہے۔

از ڈاکٹر محمد طاہر انیس

3- "لفظ مولانا کا اطلاق"

ماہنامہ طلوع اسلام جنوری 99ء میں صفحہ 54 پر لفظ "مولانا" پر مختصر سا تبصرہ شائع ہوا ہے۔ چونکہ یہ موضوع میرے متعلق ہے اس لئے میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے مورخہ 20 اکتوبر 98ء اپنے ایک خط میں محترم ارشاد احمد حقانی صاحب کو لکھا تھا کہ "مولانا" کا لفظ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے لئے آیا ہے **انت مولنا فانصرنا علی القوم الکافرین** ○ (2:286)- چنانچہ کسی انسان کے لئے "مولانا" کا لفظ استعمال کرنا غلط ہے"۔ حقانی صاحب نے اس خط کے جواب میں لکھا تھا کہ "میں مولانا یا عالم دین کے لفظ کا استعمال اس قدر غلط نہیں سمجھتا جس قدر آپ سمجھتے ہیں۔ تمام اہل زبان متفق ہیں کہ جو لفظ یا اصطلاح غلط العام ہو کر رائج ہو جائے اسے بھی ثقاہت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے"۔

پھر اس کے بعد میں نے اپنے دوسرے خط میں لکھا تھا "اگر آپ اجازت دیں تو میں لفظ "مولانا" کے متعلق کچھ اور گوش گذار کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کسی بحث کی خاطر نہیں بلکہ جو کچھ میرے ذہن میں ہے اس کا اظہار چاہتا ہوں۔ "بعض علماء کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی آیات

(57:15) اور (33:5) میں "موا لیکم" کا لفظ چونکہ دوست یا رفیق کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اس لئے ایک انسان دوسرے انسان کے لئے مولانا کا لفظ استعمال کر سکتا ہے۔ یہاں تک تو درست ہے کہ مولیٰ کے معنی دوست اور رفیق کے ہیں لیکن یہ بات غلط ہے کہ یہ لفظ خالق اور مخلوق دونوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ اس کی وضاحت میں یوں کرتا ہوں۔ لفظ "مولانا" اور "ولی" دونوں کا مادہ ایک ہی ہے۔ و ل ی جس کے معنی ہیں دوست (گو یہ لفظ غلبہ' اقتدار' حکومت' محافظت اور سرپرستی کے لئے بھی استعمال ہوا ہے) لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ اور انسان کی رفاقت دو Equals کے درمیان نہیں۔ بلکہ اللہ رفیق اعلیٰ ہے اور انسان رفیق ادنیٰ۔ چنانچہ جب ایک انسان اللہ کے وضع کردہ قوانین اور فرائض کی پابندی کو تابعداری سے سرانجام دیتا ہے تو وہ اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔ دوسری طرف جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ انسان کا دوست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ انسان کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ دیتا ہے اور یوں انسان کا دوست یا ولی بن جاتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ رفاقت یا دوستی دو Equals کے درمیان نہیں اس لئے انسان تو اللہ کو مولیٰ کہہ کر پکار سکتا ہے لیکن ایک انسان اپنے جیسے دوسرے انسان کو مولیٰ نہیں کہہ سکتا۔ روزمرہ کے حالات پر بھی نگاہ ڈالئے۔ ایک شخص کسی عدالت میں جج کے سامنے کھڑا ہو کر My Lord یا Honorable Sir کہہ کر پکارتا ہے لیکن یہ لفظ عام لوگوں میں ایک دوسرے کے لئے استعمال نہیں ہوتے۔

ماہنامہ طلوع اسلام جنوری 99ء میں پروفیسر مجیب الرحمٰن صاحب کا ذکر ہے۔ پروفیسر مذکور ماہنامہ نور الحبیب اشاعت جنوری 99ء میں یوں رقم طراز ہیں۔ "لفظ مولانا جب کسی عالم دین کے لئے بولا جائے تو اس کے معنی ہوں گے ہمارے سردار' ہمارے آقا۔ یہ لفظ محض محبت' عقیدت و احترام کے لئے ہے۔ یہ کوئی عہدہ یا منصب نہیں"۔ یہاں تک تو درست ہے کہ لفظ مولانا کے معنی دوست' آقا اور رفیق ہیں لیکن میں نے جو اپنے خطوط میں گذارش کی تھی پروفیسر صاحب اس کی طرف توجہ نہیں فرما سکے۔ میں نے لکھا تھا کہ اللہ اور انسان ایک دوسرے کے رفیق ضرور ہیں لیکن اللہ ایک ایسی ہستی ہے جو انتہائی بلندی پر ہے اور اس کے مقابلہ میں انسان انتہائی پستی پر واقع ہے۔ اس لئے انسان کا اللہ کو مولیٰ کہنا درست ہے اس کے برعکس انسان کو مولیٰ کہنا ممکن نہیں۔ قرآن کریم میں یہ کہیں موجود نہیں کہ ایک ادنیٰ ہستی کے لئے مولیٰ کا لفظ استعمال کیا گیا ہو۔ پروفیسر صاحب نے سورۃ نحل کی آیت 76 (16:76) کا حوالہ دیا ہے جس میں صرف ایک Parable مثال کا ذکر ہے کہ ایک مالک ہے اور دوسرا غلام جو قطعاً" نکما ہے کوئی کام صحیح طور پر نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مالک کو اس کے غلام کے مقابلہ میں مولیٰ کہا گیا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہاں مولیٰ کا لفظ اونچے درجے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ کسی نچلی سطح کی ہستی کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

پروفیسر مذکور ایک دور کی کوڑی لائے ہیں۔ فرماتے ہیں "مولیٰ کا لفظ عربی زبان کے اسمائے اضداد میں سے ہے (Opposite Meanings) یعنی ایسے الفاظ جو دو متضاد معنوں کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور دونوں میں اس کا استعمال حقیقت ہے مجاز نہیں ہے جیسے بیع و شراء۔ بیع و شراء کے الفاظ خرید و فروخت دونوں کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں مثلاً" قرآن مجید میں آیت (2:207) اور (9:111) میں یہ الفاظ (مادہ ش ر ی) ایک آیت میں بیچنے کے لئے اور دوسری میں خریدنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں"۔ یہاں تک تو پروفیسر صاحب کی بات درست ہے کہ مادہ "ش ر ی" کا استعمال بیع اور

شراء دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ لفظ مولانا کو اسمائے اضداد میں کیونکر شامل کر لیا گیا ہے۔ کیا قرآن کریم میں کوئی ایسی مثال موجود ہے جس میں لفظ مولیٰ بڑے اور چھوٹے دونوں کے لئے استعمال کیا گیا ہو۔ چنانچہ یہ کہنا غلط ہے کہ جو الفاظ اللہ کے لئے مخصوص ہیں انہیں غیر اللہ کے لئے بھی بلا روک ٹوک استعمال کیا جا سکتا ہے۔

پھر پروفیسر صاحب محترم ارشاد احمد حقانی پر بھی بلا وجہ تنقید فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ محترم حقانی صاحب کا اسے غلط العام قرار دینا دینی علوم میں ان کی مہارت تامہ نہ ہونے کی دلیل ہے۔ حالانکہ حقانی صاحب تو خود کہہ چکے ہیں کہ "میں اسے اس قدر غلط نہیں سمجھتا جتنا کہ آپ سمجھتے ہیں"۔ یہ صرف اس بات کا اظہار ہے کہ پروفیسر صاحب خود دینی علوم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ تاہم حقانی صاحب نے جو کچھ فرمایا اس سے تو میں بھی متفق نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جو چیز غلط العام ہو کر رائج ہو جائے اسے ثقاہت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایک نشست میں تین طلاق کا سلسلہ چونکہ دیر سے رائج ہوا ہے' اس لئے اسے اسی طرح رہنے دیا جائے' اس بات کی پرواہ نہیں کہ قرآن کریم اس کے برعکس اسے تین نشستوں میں بروئے کار لانے کا حکم دیتا ہے۔ پھر اسی طرح زانی کو سنگسار کرنے کا سلسلہ چونکہ اب قدیم ہو کر ثقاہت کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ اس لئے اسے اسی طرح رہنے دیا جائے۔ اس کی پرواہ نہ کریں کہ قرآن نے صرف کوڑوں کا حکم دیا ہے اور سنگساری کا کوئی ذکر قرآن میں موجود نہیں۔ پھر اسی طرح قدیم ایرانیوں کے جشن نوروز کو "شب برات" کا نام دے کر پٹاخے چلاتے جاؤ' حلوہ پوری کھاتے جاؤ کیونکہ اب یہ عمل مدت سے رائج ہو چکا ہے۔ اگر اس کا کوئی ذکر قرآن میں موجود نہیں تو کوئی بات نہیں ہمارے مولانا لوگ خود ہر قسم کی حدیث گھڑنے پر قادر ہیں۔

پروفیسر صاحب آخر میں فرماتے ہیں کہ "عقیدت و محبت سے کسی عالم دین کے لئے تکریم و اعزاز کے طور پر مولانا کے لفظ کا استعمال گو درست ہے لیکن عالم دین کو اخلاص' للہیت' عجز و نیاز و انکسار کا پیکر ہونا چاہئے اور اس بات کی خواہش و آرزو نہ کرنی چاہئے کہ لوگ انہیں "مولانا' علامہ یا حضرت" کہہ کر پکاریں۔ اس پر ماہنامہ طلوع اسلام نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا "ہم اس بات پر پروفیسر صاحب سے سو فیصد متفق ہیں' ہم نے اکثر علمائے کرام کو خود اپنے آپ کو مولانا کہتے ہوئے سنا ہے حتیٰ کہ ان کے وزیٹنگ کارڈز اور لیٹر پیڈز دیکھئے تو آپ کو ان کے نام کے ساتھ "مولانا" جلی حروف میں لکھا نظر آئے گا۔ وہ خط یا درخواست یا مضمون تحریر فرمائیں گے تو نیچے اپنے نام کے ساتھ " مولانا" کا اضافہ ضرور فرمائیں گے۔ گویا وہ اپنی عزت افزائی کرتے ہوئے خود کو ہی "ہمارے آقا" "ہمارے سردار" کہہ رہے ہوتے ہیں" لیکن برادران! بات یہیں پر تو ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ "مولانا" برادری کے لوگ اپنے آپ کو اللہ کے برابر نہیں بلکہ اللہ سے بھی اوپر شمار کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم ہر نماز میں ہر سجدے کے اندر "سبحان ربی الاعلیٰ" تین مرتبہ پکارتے ہیں لیکن یہ حضرات تو خود اپنا نام بھی "ابوالاعلیٰ" رکھ لیتے ہیں یعنی "اعلیٰ کے باپ"۔ اس کے بعد باقی کیا رہ گیا؟

بہرحال پروفیسر صاحب نے یہ مہربانی ضرور فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیگر اسماء الحسنیٰ مثلاً" رحمٰن' رحیم' کریم' غفور' مجید' حمید وغیرہ کو الگ بچا کے رکھ لیا اور فرمایا کہ یہ الفاظ غیر اللہ کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے' تاہم یہ بھی لفظ "مولیٰ" کو ان سے الگ کرنے کے بعد۔

از ڈاکٹر سید عبدالواحد

بات ہے ذرا سوچنے کی

ہمارے اسلاف نے اس مقدس کتاب کو مشعل راہ بنایا تو حکومت' دولت اور عزت نے ان کے قدم چومے۔ ان کا کوئی ہم پلہ اور ہمسر نہ تھا مگر رسول اللہ ﷺ کی امت نے جب قانون الٰہی سے منحرف ہو کر دین کی بجائے دنیا کو عزیز سمجھنا شروع کر دیا' شہنشاہی اور ملوکیت کو برتری کا ذریعہ بنا لیا تو امت کی جمعیت بکھرنے لگی' بخیے ادھڑنے لگے۔

سلطنت اسلامیہ سکڑنے لگی جیسے غبارے سے ہوا نکلنے لگتی ہے۔

یورپ میں آٹھ صدیاں حکومت کر کے ذلت و خواری میں نکالے گئے۔

ہندوستان کا تاج ہمارے سر سے اترا اور ہمیں تخت سے اٹھا کر تختے پر بٹھا دیا گیا۔ شاہ سے گدا ہوئے' حاکم سے محکوم ہوئے۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے امت کی اس گمراہی اور کردار و ایمان کی تباہی کو ان چند الفاظ میں بیان کر دیا ہے:

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

اور حالی کی مسدس کا ایک ہی شعر اس کیفیت کے بیاں کے لئے کافی ہو گا:

ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم جیسے راہ گم کردہ لوگوں کے لئے اپنا آخری فیصلہ پہلے ہی محفوظ رکھا ہوا ہے:

"اور جو اللہ کی یاد (احکام اور قوانین) سے غافل ہوتا ہے اس پر ہم ایک شیطان متعین کر دیتے ہیں پھر یہ شیطان اس کا ساتھی رہتا ہے اور شیاطین بندوں کو (اللہ کے راستے) سے روکتے ہیں اور بندے سمجھتے ہیں کہ وہ راہ راست پر جا رہے ہیں"

(الزخرف:(36-37)

ذہن پر زیادہ زور دے کر سوچنے کی ضرورت نہیں' یہ کوئی ڈھکے چھپے راز کی بات بھی نہیں' جو کچھ ہو رہا ہے ہم سب کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے جس کا ایک ایک لفظ عملی طور پر ہم دیکھ رہے ہیں' ہم سب اس کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ (ماخوذ حکایت)

پاکستان میں
علامہ غلام احمد پرویزؒ
کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1- اسلام آباد	برمکان 302 سٹریٹ 57 - سیکٹر F 11/4		
	رابطہ: جناب انعام الحق ملک صاحب فون: 290900		
2- ایبٹ آباد	234 کے۔ ایل کمال۔ رابطہ: گل بہار صاحبہ	بروز منگل	4 بجے شام
3- ایبٹ آباد	234 کے۔ ایل کمال۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین	ہر روز	عند الطلب
4- اوکاڑہ	برمکان احمد علی 180-A شادمان کالونی	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
	رابطہ: شیخ احسان الحق فون: 520258/520270		
5- بوریوالا	برمکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی نمبر 5	پہلا اور تیسرا اتوار	10 بجے صبح
	رابطہ: فون: 55438		
6- بوریوالا	رہائش گاہ ڈاکٹر محمد اسلم نوید فون: 54590	دوسرا اور چوتھا جمعہ	ساڑھے 3 بجے
7- بوریوالا	رابطہ محمد اسلم صابر۔ فون 55438	یکم اکتوبر سے	روزانہ بعد نماز مغرب
8- بہاولپور	ریحان چپل سٹور مچھلی بازار رابطہ: بشیر احمد فون 876785	جمعۃ المبارک	2 بجے بعد دوپہر
9- پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ۔ کابلی بازار۔	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
	رابطہ فون: 840945		
10- پشاور	اکبر پورہ۔ محلہ گڑھی زرداد	بروز ہفتہ	8 بجے شام
	رابطہ: محترم لیاقت علی طاہر فون: 2970190		
11- پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
12- پیر محل	مکان نمبر 140/139- مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا اتوار	9 بجے صبح
13- پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
14- جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد' جی۔ ٹی روڈ	اتوار	9 بجے صبح
15- جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
16- چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر حٹہ بازار	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
17- چک 215 ای۔ بی	شاہین پیڑولیم' اڈا کوارٹر	اتوار	9 بجے صبح

شہر	مقام	دن	وقت
18- حیدر آباد	محترم ایاز حسین انصاری B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر رابطہ فون- 654906	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
19- راولپنڈی	بمقام 4385/47-E اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوا منڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعۃ المبارک	4.30 بجے شام
20- سرگودھا	60- اے سول لائنز' ریلوے روڈ- رابطہ فون: 720083	جمعہ	5 بجے شام
21- سرگودھا	4-B گلی نمبر7 بلاک 21 نزد مکی مسجد چاندنی چوک رابطہ: ملک محمد اقبال فون (711233)	منگل	7 بجے شام
22- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک- فون: 720096	ہر جمعۃ المبارک	3.30 بجے شام
23- کراچی	کراچی سی بریز' روم نمبر105 شارع فیصل رابطہ کرنل خان ادیب احمد- فون: 4550546-4558498	اتوار جمعہ	9.30 بجے صبح 5 بجے شام
24- کراچی	ڈبل سٹوری نمبر16 گلشن مارکیٹ' 36/C ایریا کورنگی 5 رابطہ محمد سرور' فون: 312631-5046409 درس کے علاوہ بھی لائبریری کھلی رہتی ہے-	اتوار بروز جمعہ	11.30 بجے صبح بعد نماز مغرب
25- کراچی صدر	ہوٹل جبیس ہال- عبداللہ ہارون روڈ کراچی رابطہ: محمد اقبال' فون 5892083	اتوار	10 بجے صبح
26- کوہاٹ	برمکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری	اتوار	8 بجے صبح
27- کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ- رابطہ فون: 825736	اتوار	4 بجے شام
28- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ' سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
29- گجرات	مرزا ہسپتال' کچہری روڈ	جمعرات	3 شام
30- گھوٹکی' سیالکوٹ	برمکان محمد حسین گھمن	ہر ماہ پہلا اتوار	صبح 9 بجے
31- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	اتوار	9:30 بجے صبح
32- لاڑکانہ	برمکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ مسجد محلہ جاڑل شاہ رابطہ فون: 42714	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
33- ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعہ	4 تا 5 بجے شام
34- مامون کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب رابطہ فون: 04610-345	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ

شہر	مقام	دن	وقت
35- منگورہ سوات	ڈیرہ اقبال ادریس، عقب مہران ہوٹل گرین چوک فون: 710917	ہر جمعہ	بعد نماز جمعہ
36- نواں کلی صوابی	رابطہ سید الطاف حسین ٹیچر	اتوار	صبح 10 بجے
37- رانی پور	اوطاق ڈاکٹر سلیم سومرو سومرو محلّہ رابطہ شفیع محمد سومرو	جمعتہ المبارک	بعد نماز عشاء
38- واہ کینٹ	برمکان چوہدری محمد اشرف 18/9/1293	بروز بدھ	بعد نماز عصر
39- میانوالی	برمکان حاجی اعظم خان واندھی گھنڈ والی فون: 33647	اتوار	صبح 9 بجے

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔ جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

For All Publications of Allama Parwez and recorded lectures on Quran

Please contact:

TOLU-E-ISLAM TRUST
25-B, Gulberg 2 Lahore-Pakistan.

Current Account No·
4107-35
Main Gulberg Branch
Habib Bank Limited
Lahore

Phone: 5753666 - 5764484
Fax: 092-42-5764484
Email: trust@toluislam.com
Internet: http://www.toluislam.com

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے
مسئلہ قادیانیت کا
قانونی فیصلہ تو ہو گیا
لیکن ذہن ابھی تک
صاف نہیں ہوئے
ذہن صاف ہو ہی نہیں سکتے جب تک
یہ نکات واضح نہ ہوں کہ !!!
ختم نبوت کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟
نبوت کا مقام کیا ہے؟
سلسلۂ وحی کیوں بند کیا گیا؟
ختم نبوت سے انکار کیوں تذلیل انسانیت ہے؟
ان سوالات کے جوابات کیلئے پڑھئے صاحب کی فکر انگیز کتاب
منگوائیں
مفت
خط لکھ کر
"ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت"
طلوعِ اسلام ٹرسٹ 25-B گلبرگ II لاہور 54660 فیکس نمبر 042-5866617

The changes brought about to the ethical, social, cultural, political and economic basis of this world by Prophet Muhammad (Peace be upon him) was so profound that this fact is also accepted by independent western scholars. For example, Mr. Pringle Kennedy in his book entitled "Arabian Society at the time of Prophet Muhammad" (Peace be upon him) writes on page 18 "In few years the whole mankind changed. The world uptil 650 AD completely changed to a New World." This is the most significant chapter in human history. Such was the life of Prophet Muhammad (Peace be upon him).

No doubt that as a recipient of Wahi he had a unique position which no human being can have, but his practical life was that of a man. After all he was a human being just like all other human beings (18:110). Therefore his life model of how he lived by that divine message is something which can be adopted by all human beings. This is the need of our times. The divine message, which he received, has been preserved in the form of Holy Quran and his way of living (Sunnah) was according to the principles of Quran. His Sunnah tells you the way he applied the Quran on himself and created a society based on the values enshrined in the divine message. It is these divine values which are of fundamental importance for a society to live by (6:19) (17:9).

These values alone can ensure peace and prosperity – most wanted in the present times (41:31) (36:58). Indeed, it is an uphill task to create a society based on the Quranic values and deserves full appreciation. Prophet Muhammad (Peace be upon him) has done this miracle and got full appreciation from God and we should follow suite. "A man can do what a man has done".

"*In-Allaha Wa Malaikatahu Yasal-loon Ala Nabi, Ya Ayuhal Lazeena Amno Salo Alehe Wa Salemo Tasleema*" (33:56). (Allah and His angels send greetings and support the Prophet, Oh! Who believe you should also send your greetings and follow him and submit yourself to him as is worthy of submission).

Courtsy: Arab Times- Kuwait

---

1. The quranic references in this article have been given as (A:B) A is soorah and B is verse Number from Holy Quran.
2. Mr. Ubed-ur-Rahman Arain is a Structural Engineer by profession and is working as Chief Engineer & Manager of a consulting firm in Kuwait. He has lived in Kuwait for the last 23 years.

of the Holy Quran where Allah Himself has described what *Wahi* is and why it was necessary (3:108). I am not going to go into more details about this aspect of Prophet's life at the present, as this is not the subject of my article.

I want to talk about the other position of Prophet Muhammad (Peace be upon him) and that is of Rasool, the Messenger. The life of the messenger becomes more meaningful when he himself lives by the message he delivers. This is exactly what Prophet Muhammad (Peace be upon him) did. The message he got was from Allah but his contribution was that he not only delivered the message to the mankind but implemented it himself and so did his worthy companions. That made the message self-evident and thus he became a living example of the message. As has been narrated by Ayesha (R), that Prophet's lifestyle was the best example of Quran (Bukhari).

It is very important to understand the position of a Rasool in the eyes of God; for example in verses (20:41-43), Allah has talked about Prophet Moses and says that *"I have opted you for Myself"* and later on He asks Prophet Moses to go to the Pharaoh who has become "limitless". Here it is interesting to note that if the Pharaoh had become "limitless", God could have eliminated him, as the Pharaoh was a human and his life was in Allah's hands. But No! Allah does not interfere in human affairs directly. He wants to resolve the situation by means of other human beings. That is why God had used the words "for Myself" for Prophet Moses. In other words, the Prophets practically did the work, which God wanted to do in the human world, thus fulfilling the program of God. From this example, it infers that obedience to the Prophets is obedience to God Himself (4:80).

Although all messengers of God were sent to guide their people, to make their life on earth blissful as well as to prepare them for the life of heaven in the hereafter, there is a fundamental difference between all the previous prophets and Prophet Muhammad (Peace be upon him). In the olden days, when nations had limited population and the means of communications were also scarce, the messengers used to work within one region and had a limited sphere of influence. However Prophet Muhammad (Peace be upon him) was sent at a time that was between the old and the new. God knew very well that the populations would not stay limited to the localities. They will expand and the whole world will become one nation. Therefore Prophet Muhammad's (Peace be upon him) prophethood was not limited to one nation or a particular region. That is why the Prophet had declared that he was the prophet for the whole mankind (4:79, 4:170, and 7:158). At another place in the Holy Quran, God says that "Oh Rasool! We have sent you for the whole mankind" (34:28). Elsewhere in the Quran it is said that he has been sent even for those people who will come afterwards (62:2-3). Since this will include all mankind till the end of human life on earth, therefore Prophet Muhammad's (Peace be upon him) Messengerhood is forever, just like Quran is the final book of God and is forever.

In a Word. .. The World

By
Ubed-ur-Rahman Arain

"*La Ilaha Il-lillah, Muhammad ur-Rasool Allah.*" These are a few words, which the Muslims call "*Kalima.*" These few words, however, encompass within them all there is to say or believe about Islam, about the rules according to which Islam was ordained and the rules according to which the whole universe is run. This also includes a direct instruction to how mankind should live their lives and whom they should follow as an ideal (2:107) (2:163).

The first word "*La*" is a negation of the second word "*Ilaha.*" *Ilah* in Arabic means one who rules, one who is sovereign and has the power to implement His laws. "*Il-lillah*" means "except Allah", and everyone knows that Allah is the proper name of God. Some scholars consider the word "Allah" to be derived from *Al-Ilaha* meaning the "Only *Ilah*", meaning the only sovereign. Therefore, these three words essentially mean that there is no sovereign, no one rules, and no one is in power except one and only "Allah" who is all powerful and who rules all aspects of man on earth and in the hereafter and all that is happening in the whole universe (9:116).

The next three words declare that Prophet Muhammad (Peace be upon him) is Allah's Messenger. One wonders why this declaration has been singled out. We will try to find the reason in the next few lines.

There were Messengers before Prophet Muhammad (Peace be upon him) who brought great religion on earth, but Allah, the all Knowing, found it necessary to send one last Messenger to deliver His final message. With him, Allah completed His promise of the eternal availability of His guidance to man. On the other hand, by his conduct and character, Prophet Muhammad (Peace be upon him) set such an example that his life became forever a model for all human beings from 600 AD to eternity (2:137). Accordingly, Allah's message cannot be fully understood unless one has Prophet Muhammad's (Peace be upon him) true position in front of them.

The aspects of Prophet Muhammad's (Peace be upon him) life as a *Nabi* where he was receiving *Wahi* (revelation) from God is beyond our comprehension (20:110). That position can only be understood by a Prophet of God as that is a metaphysical phenomenon and since Prophet Muhammad (Peace be upon him) was the last Prophet, no man can explain or understand this aspect now (53:7-10) (6:125). Man by himself does not possess and will never attain that level of intellect to understand the nature of revelation and exactly how it was revealed to the Prophet. Our only exposure comes from the verses

unknown volunteers who work in special research cells/units in "Islamabad" and prepare topics for Mirza Sahib to look presentable. He might have copied some manuscripts to delude himself or as an evidence for others. To actually claim that he wrote this book, is simply pitiable. Those who know him could easily attest to this fact. The effort was still worth while because it gave Ahmadi propaganda machinery around the world a well-deserved rest from the routine. Alas! The reality falls much shorter than Mirza Tahir's dreams. The ongoing curse ("prophecy") of (religious) intellectual inferiority in "the family" and followers, continues?

Despite what the cover of this book has us believe, real biographical details of Mirza Tahir are as follows. According to Ian Adamson ("Man of God") Mirza Sahib wanted to become a doctor (now content with "world-renowned" Homeophathy practice-without qualifications) but failed his FSc. examination. This was no disgrace as his grandfather Mirza Ghulam Ahmad Quadiani (A clerk in the DC office) failed departmental examinations thrice before embarking upon his career as a "Prophet". Then his father Mirza Bashir (2nd head of Ahmadi Jamat) failed middle school examination and was always taunted by Maulana Muhammad Ali (Head of Lahori Ahmadi Jamat). In Mirza Tahir's case, his father used his contacts and got him admitted to SOAS, London University (without proper qualifications). He was obviously not good enough and soon dropped out. He spent the next few years enjoying western life and the hospitality of poor Ahmadies while travelling around Europe. He was "elected" Head of Ahmadi Jamat in 1982 with crucial support from Sir Zafar Ullah. His main qualifications were political mindedness and contacts in the right places, including the intelligence services abroad. His "Escape from Pakistan" and recent overthrow of the government in Sierra Leon with the help of MI6, are two prim examples of his strenghts. As a politician, he rightfully claims that MTA (Muslim Television Ahmadyyiah) is his biggest achievement. TV being an effective tool in propaganda, he knows what he is talking about. He is a keen sportsman but an intelleuctual lightweiht. He is advised to refrain from boxing out of his weight. To make that sure, I would like to seek a legal injunction against the publishers of this book, stopping them from making intellectually insulting claims. Good luck to those who want to follow suit.

Reviewed by Tahira Parvez

(S.6/38), carried formulae to address all problems (S.10/57), and took responsibility to for its protection (S.15/9). With the Quran Allah proclaims that His Law was completed (S.6/116) and will remain valid for all mankind (S.81/27) for all times. Iqbal stressed that we can tackle all current and future problems in the guidance of the Quranic revelation--hence no need for future revelation or Prophets. Mirza Tahir should also know that reformers do not have to be Prophets. A comparison of Sir Syed and Jamal-ud-Din Afghani with Mirza Ghulam Ahmad Quadiani could be a study in enlightenment for him.

Mirza Tahir has devoted several chapters to the discussion regarding the nature of revelation. As expected, he misses the point and tries to understand it absurdly in the context of paranormal, illusions, hypnotism, hallucination and dreams. We will not go to the sources that are disagreeable (According to Mirza Ghulam Ahmad Quadiani "Ahadees are like a Madari's (juggler) patari (eq. Hat), and you can take out whatever you wish") or obscure (Physiology of the Brain) for Mirza Sahib, to be fair to him. He would like to claim that his belief in the Quran is similar to the rest of the Muslims (though Ahmadies have unashamedly twisted and changed its meanings to suit themselves). Let us revisit some Quranic concepts on Wahi (revelation) as a reminder to him. According to the Quran, Wahi is an objective knowledge/experience given to Allah's chosen individuals (S.6/105). This knowledge is direct (S.83/5) and not acquired (S.53/4). Nobody knows the exact nature of this experience except Allah, who "reveals it on the heart of the Nabi/Prophet" (S.40/15). It is not an Illusion, dream or Nabi/Prophet's interpretation but Allah's own word (S.9/6, S.2/75). Let me also emphasise that there is no classification of Wahi (revelation) in the Quran. Old Ahmadi propaganda of lesser Wahi, Ilham, Kashaf etc. of Mirza Ghulam Ahmad Quadiani are Sufi concepts abused to justify his claims. It is interesting to note that Mirza Tahir has not even mentioned them in this book (Drop it before it becomes too heavy?)

Mirza Tahir Ahmad is neither a scholar nor philosopher. He had no knowledge, ability, training or qualifications to undertake a serious task as writing a book on such complex issues. By his own admission over 50 people were involved in researching, printing and revisions of this book. This is in addition to those scholars and researchers who were involved in "things I could not have handled alone" (like writing the book). The "translators" must take genuine credit for making this work readable. It gets better "..when I critically examined the translation, new ideas emerged...". I know for certain that most of the topics in this book have either been his Jumma Prayer sermons or were discussed in his "Question Answer" sessions. Praiseworthy are also those

The last part of this book consists of a repetition of Ahmadi propaganda regarding the need for ongoing revelation (justification of the "Prophethood" of Mirza Ghulam Ahmad Quadiani") and illusions towards its continuation (Mirza Tahir regularly claims to be "in touch", during his sermons and speeches). In the process, he attacks Allama Iqbal and Maulana Moududi for having defective thinking and views on this issue. He accuses Iqbal of borrowing Neitzsche's views for thinking that revelation stopped with Muhammad (P.B.U.H) and the Quran is the last word of Allah. His main argument against it is the "...utter moral destitution of man today"- hence the need for revelation. Maulana Maududi has a large following and one would expect them to hit back because he has been bracketed with Baha'Ullah in this book. Before we go back to Iqbal, it is wise to clarify one thing to Mirza Tahir. Arguments similar to his were put forward by Mirza Ghulam Ahmad Quadiani (& later by his followers) in his defence for being a reformer, Mahadi, Jesus and eventually a Prophet in his own right. What improvement in the world did his "Prophethood" bring? It simply divided the Muslims further, has been responsible for terrible sufferings, and the world is generally a worse place (partly because of him and a similarly corrupt clergy) to live than before his claim. Despite of what they are being told publicly, poor Ahmadies have also gone from pillar to post in the last 100 years and would soon be labelled "wandering Ahmadies"- hence proving that Mirza Ghulam Ahmad Quadiani was a "Prophet of destruction and death" only.

Allama Iqbal, the distinguished Muslim poet and scholar, saw through the deception of Mirza Ghulam Ahmad Quadiani and his followers, and made Muslim Ummah aware of their threat to Islamic Identity. Most other Muslim scholars shied away considering Ahmadiat as too trivial for their attention. Sir Syed only said "Ghulam Ahmad Quadiani's claims are useless." And Maulana Azad was too busy in his politics to go further than wirting a few condemning articles. It was left to Iqbal to realise the dangers of their existence as a part of Muslim community. He suggested a separate religious status for them. When Nehru spoke in their favour, he shred those arguments with the sword of his wisdom and Islamic knowledge. Since then Ahmadies have spared no efforts to discredit him. Where they failed miserably on the intellectual front, they made up for it in the corridors of establishment in Pakistan. Gradual disappearance of Iqbalian philosophy from the Pakistani public life is not without reason. In this latest attempt, Mirza Tahir does not mention the whole truth while discussing Iqbal's views on revelation. Iqbal actually proposed that by the advent of Muhammad (P.B.U.H), mankind had achieved enough social and cognitive maturity to be the recipient of Eternal Truths. Therefore, Allah in His wisdom completed his message in the Quran. The Almighty made sure that the Quran was detailed (S.6/115), contained Eternal Truths (S.5/48), had no deficiency

confidently predict that most A-level students will find it fairly basic. This may be disappointing for Mirza Sahib but we have no choice except deducing that lay public is the likely target population. We are still left with the claim "....literary work of the century" to deal with. Literature, as we know, covers a great variety of written works valued for its form and style. We will have to give Mirza Sahib benefit of the doubt. Surely, his book is not being compared with the works of legends such as Freud, Russell, Sartre, Hardy (or our home grown talent Ali, Jauhar, Akbar Ahmad...) in this century. Or for that matter with Mirza Ghulam Ahmad Quadiani's "Brahin-e-Ahmadyyiah" (last volume published in 1908) itself? This discussion can get more complicated (due to no fault of mine) but I should leave it here. Let us compare like for like, or even narrow it down to the comparable works published in the English language, in recent years.

The book starts promisingly. Mirza Tahir sets up his stall with a summary of historical development of religious thought and a brief introduction of the comparative values of reason, logic and revelation. However, as soon as he starts to elaborate on his basic ideas in the subsequent chapters, he loses direction and eventually the plot. The insertion of a chapter on "Individual versus Society" is a bolt out of the blue-Chapters follow this on Islamic Schools of Thought, European Philosophy and Greek Philosophy. While discussing Islamic thought, Mirza Tahir appears hollow and unnecessarily cautious. He seems to advocate all sides of the argument, hence failing to advance his own. He does not mention Imam Shafi's contribution in advancing Islamic Thought when the extremists were sitting in trenches. He is also (surprisingly) unkind to the poor Sufies. This is pure desertion as Mirza Ghulam Ahmad Quadiani and his successors have repeatedly borrowed Sufi concepts and practices to advance their hidden agenda. Serious readers are recommended to read Sayid Nasr and Dr. Wadood to pull themselves out of the depths of despair. When it comes to discussing Philosophy, Mirza Tahir is hopelessly out of his depth. He gives us summaries of the great works of different philosophers (with some patronising remarks of his own), which have been copied from primary level Philosophy encyclopaedias. Then he makes a meal of the whole thing by trying to summarise difficult concepts, and tie them to the thread of argument he has since lost.

Armstrong, Umberto and Eaton among others have written on related issues in the recent years. People who have had the pleasure of reading Ali Shariati's lectures may feel like being in a torture chamber. It is true that there is no substitute to proper education.

seriously. However, the history of this religion shows that they have masterec the technique of putting forward claims, which nobody takes seriously. Later on, they are declared "facts" as nobody had contested them, or did it too late Afterwards, they become a part of Ahmadi folklore and another prophecy of Mirza Ghulam Ahmad Quadiani comes "true". A series of such fantastic claims by Mirza Ghulam Ahmad Quadiani and a disjointed initial response from the Muslim community resulted in the birth of this religion in the 19th century. If this book met a similar fate, there is a danger that Mirza Tahir will be declared an "original" thinker. My own reason to read this book was simple. I found the above statement scandalous. Mirza Sahib also promises ample reward for the reader and that" ....his study will assist him by ushering him into the majestic presence of his Lord- the creator, the Master of the Universe." Sounds familiar? The vocabulary has been borrowed from American Evangelical scene. I am less sure about its meaning though (Muslims believe in the presence of Allah everwhere-- "nearer than jugular vein"). The following was my reward and I am happy to share it with Mirza Sahib and the readers.

The book has been "translated" into an exquisite English, which repeatedly makes one forget the topic at hand. It is divided into seven Parts. Out of them, probably, the first two justify this division. They are about the history of the development of Religious Thought, Philosophy, and certain Religions. After that, the author drifts back and forth going through varied topics like Revelation, Cosmology, Evolution, Unseen, Holocaust and Aids. There are inconsistent and sometimes no attempts to tie these topics together. That is understandable considering the variety of topics involved and competence of the author. We also come across some quality writing and original thoughts in a few chapters like "Belief in the Unseen". The sad part is that the book eventually drifts into a propaganda that "The Plague" and "AIDS" were the prophecies of Mirza Ghulam Ahmad Quadiani (and hence a proof of his Prophethood). In other chapters, Mirza Sahib regurgitates age-old Ahmadi favourites like "Jesus versus Finality", assuming that all Muslims hold similar views to his old adversaries, Maulvies. A detailed discussion on this book is beyond the scope of this review and probably common sense. I will take up a few issues, and leave the rest for others to help themselves to.

As the name and contents of this book suggest, it is supposed to deal with complex issues related to various disciplines including Religion, Philosophy, Entomology, and Medical Science. Mirza Tahir does not explain who is the potential readership of this book? Is it written for scholars, lay public or Ahmadi faithfuls? As a student of most disciplines under discussion in this book, I can

Book Review

REVELATION RATIONALITY KNOWLEDGE AND TRUTH

By

Mirza Tahir Mahmood

Head of Quadiani Movement

The book under review is essentially an enlarged version of Mirza Sahib's lecture delivered at the University of Zurich in 1987. "Many attempts were made during subsequent years to translate the full Urdu manuscript.... to be exhausted and abandoned... no single scholar could translate.. no option but to rewrite in my own hand..". The story goes on without telling us the real reason behind writing this book. The book has 756 pages excluding publisher's note, acknowledgements and preface etc. It has been published by "Islam International Publications" based at "Islamabad", Surrey (U.K.) on an expensive paper using "Times New Roman" type and large font (14?). It costs 25 pounds according to the cover price. It was launched with some vigour at the annual international meeting of Ahmadies in the U.K. this year. Since then it has received endless "advertisement" on their Satellite Channel and other meetings around the globe. It is being "marketed" as the next big thing to "Brahin-e-Ahmadiyyah". It has "sold" thousands of copies to Ahmadies, mostly to give away to non-Ahmadi friends, potential converts and worth-impressing acquaintances. If you are anyone of those, and you have not received your copy, just ask or be patient. It will not surprise me to hear in a few years time that this book has topped the "best-seller" list.

Claim made on the cover of the book is that most readers *will testify* that this *will always* stand out as *a book among books*-perhaps *the greatest literary achievement of this century"* This is a serious statement not only for its shock-value but also for other reasons. Mirza Sahib is the head of "Ahmadi" Jamat (Quadiani group) which has been declared non-Muslim by most of the mainstream Muslims. Since the matters discussed in this book are sensitive to Muslims, it is hoped that such a grandiose statement is made with some degree of responsibility. If the purpose is to throw a challenge to the Muslim scholars, the wisdom of this remains to be seen. Unfortunately, only a minority of Muslims is likely to come across this book. The rest of them will just ignore it as Quadiani or Mirzai propaganda to grab the limelight or an attempt to be taken